عہدِ عباسی میں ترجمہ نگاری

(تاریخ و تحقیق)



تصنیف

ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی

ترجمہ

نایاب حسن قاسمی

عہدِ عباسی میں ترجمہ نگاری

(تاریخ و تحقیق)

تصنیف

ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی

ترجمہ

نایاب حسن قاسمی

ناشر

مرکزی پبلیکیشنز

نام کتاب	:	عہدِ عباسی میں ترجمہ نگاری (تاریخ و تحقیق)
تصنیف	:	ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی
ترجمہ	:	نایاب حسن قاسمی
ناشر	:	مرکزی پبلی کیشنز، نئی دہلی
تقویم	:	مارچ 2019
تعداد	:	500

Book Details:
Ahde Abbasi Me`n Tarjama Nigari
by: Dr. Aurang Zeb Azmi
Translated by: Nayab Hasan Qasmi
Pages: 208 Rs. 200 Size: 23x36/16
ISBN : 978-81-940749-1-5

ملنے کے پتے

جے ایم سی انڈیا پبلیشرز پرائیوٹ لمٹیڈ بستی حضرت نظام الدین نئی دہلی Mob.7838982640

مکتبہ دارین ندوہ روڈ لکھنؤ Mob. 9335858300

مکتبہ النور دیوبند Mob.9045909066

زمزم بک ڈپو دیوبند

Printed & Distributed by:
Markazi Publications
Contact : 9811794821 / 22
Email: markazipublication@gmail.com

مشمولات

باب:5

باب:6

باب:7

باب:8

باب:9

حرفِ مسرت

انسانی علمی تاریخ میں ترجمہ نگاری کا سلسلہ نہایت قدیم ہے اور اس موضوع پر ایک عرصے سے لکھا بھی بہت جا رہا ہے؛ کیونکہ کوئی بھی علم اسی وقت باقی رہتا اور پھلتا پھولتا ہے، جب اس کا ذہنی و عملی سطح پر اعادہ کیا جاتا رہے۔ بات جہاں تک عربی زبان کی ہے، تو ہندستان غالباً ان چند ممالک میں سے ایک ہے، جہاں عربی زبان و ادب سے واقفیت کے ساتھ ہی عربی و اسلامی موضوعات پر تحقیق و تصنیف کا سلسلہ شروع ہو گیا، نتیجتاً باوجودیکہ ہندستان نہ تو عربی بولنے والا اور نہ مسلم ملک ہے، یہاں ہزاروں دینی مدارس اور سرکاری جامعات میں عربی زبان کی تدریس کا معقول نظم ہے، ان تعلیمی اداروں کے اساتذہ کسی بھی عربی ملک سے کسی قسم کی مادی معونت لیے بغیر عربی زبان کی تدریس میں سرگرم ہیں، اس موضوع پر کتابیں لکھتے اور شائع کرواتے ہیں، عربی زبان میں رسائل و مجلّات شائع کرتے ہیں اور اپنے طور پر وہ ہندستان میں عربی زبان میں تحقیق و مطالعے کی روح کی تجدید کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ حالیہ دنوں میں ہندستانی یونیورسٹیز نے عصرِ حاضر کی ضروریات اور تقاضوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اور عالمِ عربی سے اپنے تعلقات کو مضبوط و وسیع کرنے کے لیے عربی زبان و ادب کی تدریس و تعلیم کے ساتھ عربی بول چال اور عربی و انگریزی زبان میں عملی ترجمے کے کورسز بھی شروع کیے ہیں۔

ہر دور میں کچھ ایسے لوگ پائے جاتے ہیں، جو مادی حصول یابیوں پر توجہ دینے کی بجائے اپنی نظر اس پر رکھتے ہیں کہ وہ مختلف قوموں اور قبیلوں کے باہمی تعلقات کو مضبوط کریں، اس مقصد کے لیے وہ علم کے مختلف شعبوں میں اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہیں، اس سے انھیں قلیل وکثیر کچھ بھی مادی فائدہ نہیں ہوتا؛ بلکہ بسا اوقات خالص علمی و تحقیقی کتاب کو شائع کرنے کے لیے انھیں خود اپنی جیبِ خاص سے صرف کرنا پڑتا ہے، مگر وہ اس سے دریغ نہیں کرتے۔ عربی ترجمہ نگاری کی تاریخ و تحقیق بھی ہندوستان میں ایک ایسا ہی علمی شعبہ ہے، جس میں اپنی صلاحیت و محنت صرف کرنے والے کو مادی منفعت کچھ بھی حاصل نہیں ہوسکتی، البتہ وہ ایک عظیم الشان علمی تاریخ کو اہلِ علم کے سامنے لاکر اپنی نسل اور آنے والی نسلوں پر بڑا علمی و تحقیقی احسان کرتا ہے۔

یہ کتاب، جو آپ کے پیشِ نگاہ ہے، اس میں اجمالاً زمانۂ جاہلیت سے لے کر عصرِ عباسی تک عربی ترجمہ نگاری کی تحریک کے مختلف مراحل کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں مؤلف نے جامعیت کے ساتھ موضوع کے مختلف اطراف و جوانب کا تجزیہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ ترجمے کی ابتدائی شکل مجمل یا مفصل انداز میں دو یا دو سے زیادہ لوگوں کی باہمی بات چیت یا ایک دوسرے کو اپنی بات سمجھانے سے شروع ہوئی، پھر اسلامی ادوار میں اسے تحریری شکل حاصل ہوئی، انھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ شروع میں یہ عمل مخصوص اغراض کے تحت انفرادی طور اور محدود پیمانے پر کیا جاتا تھا، پھر یہ عہدِ عباسی میں ایک ترقی یافتہ اور وسیع تحریک کی شکل اختیار کر گیا، ساتھ ہی انھوں نے زبانوں، تہذیبوں اور ثقافتوں کے فروغ میں ترجمہ نگاری کے سرگرم و ناقابلِ نظر انداز رول کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں مؤلف نے جن مصادر و مراجع سے استفادہ کیا ہے، اخیر میں ان کی ایک لمبی فہرست دی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کا مطالعہ وسیع ہے، اس سے آیندہ عربی علمی و تحقیقی شعبے میں کام کرنے والوں کو مدد بھی ملے گی، خاص طور پر جو لوگ عربی ترجمہ نگاری پر کام کرنا چاہیں گے، انھیں اس کام کے اصول و طریق ہائے کار کو سمجھنے میں

سہولت ہوگی۔

اس موضوع پر اس کتاب کو آخری نہیں کہا جاسکتا، البتہ یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ یہ مؤلف کی قیمتی علمی و تحقیقی کاوش ہے اور علمی حلقے میں اس کی قدر ہونی چاہیے۔ اس سے پہلے ادبی، علمی، و دینی موضوعات پر مؤلف موصوف کی عربی، انگریزی و اردو زبانوں میں کئی کتابیں شائع ہوچکی ہیں؛ اس وجہ سے میں انھیں ایک باتوفیق صاحبِ قلم سمجھتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ وہ اپنی مزید قیمتی کتابوں اور تحقیقی مقالات سے ہندستانی عربی و اسلامی کتب خانے کو ثروت مند بناتے رہیں گے۔ واللہ ولی التوفیق

سید احسان الرحمن

سابق استاذ و صدر شعبۂ عربی وافریقی سٹڈیز

جواہر لعل نہرو یونی ورسٹی، نئی دہلی

تاثرات

جب اہلِ عرب مختلف ملکوں کو فتح کرتے ہوئے اپنے دیار سے باہر نکلے، تو اس وقت وہ چند علومِ طبیعی سے واقفیت رکھتے تھے؛ انھیں فلکیات سے آگاہی تھی، ستاروں کی گزرگاہوں اور منزلوں سے شناسائی تھی، آسمان کی ہیئت اور آب و ہوا کی ماہیت کا وہ علم رکھتے تھے، تجربات کی بنیاد پر ابتدائی طب کی بھی انھیں شد بد تھی، البتہ زمانۂ جاہلیت کے کاہن فلکیات و طب کے تعلق سے جو خرافات پھیلاتے تھے اور یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ حادثات و واقعات میں ستاروں کی اثر اندازی کا علم رکھتے ہیں یا فلاں تعویذ سے فلاں بیماری ٹھیک ہو جائے گی، اس قسم کے عقائد و خیالات کی اسلام نے پرزور تردید کی اور اسی علم کے حصول کی حوصلہ افزائی کی، جس کی بنیاد دلائل و براہین پر قائم ہو۔

عربی ثقافت و تہذیب کی ترقی کے ساتھ ہی مسلمانوں کے علم میں بھی وسعت پیدا ہوئی، وہ ایسے علوم بھی سیکھنے لگے، جن کے بارے میں اسلام کی آمد سے قبل انھیں پتا بھی نہیں تھا، ان کے مابین تعلیم و تعلم کا عام ماحول قائم ہوا اور کتابوں نے بھی بہت سے علوم فراہم کیے۔ جن ملکوں کو انھوں نے فتح کیا، وہاں مدارس اور تعلیم گاہوں کی کثرت تھی اور وہاں ایسے علوم پڑھائے جاتے تھے، جن سے وہ پہلے سے آگاہ نہیں تھے؛ چنانچہ انھوں نے ان مفتوح قوموں کے ساتھ تہذیبی و ثقافتی میل جول شروع کیا، ان کے آداب و دانش سیکھے؛ بلکہ اسلامی مملکت سے باہر دوسرے ملکوں اور شہروں کا سفر کیا، مختلف ادیان و مذاہب کے متبعین سے مناظرے کیے اور ان کے فلسفیانہ و منطقی دلائل کو اپنے عقائد و نظریات کی تائید میں استعمال

کرنے کے طریقے سیکھے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عباسی خلفا، خصوصاً مہدی اور ہارون رشید کے دور میں اسلامی لشکر کی بازنطینی حکومت پر فتوحات کے بعد عہدِ عباسی کا ستارہ چمکا، اسبابِ عیش کی فراوانی و خوشحالی نے بھی تاریخ میں اس عہد کو بلندی عطا کی؛ حالاں کہ اس کی حقیقی عظمت وہ فکری بیداری تھی، جس کی اس وقت تک کی اسلامی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں تھی اور جو دنیا بھر کی فکری بیداری کے باب میں سب سے روشن سمجھی جاتی ہے، البتہ ایک حقیقت یہ بھی تھی کہ مسلمانوں میں یہ بیداری خارجی اثرات کا نتیجہ تھی، چاہے وہ اثرات ہندستانی ہوں، فارسی ہوں، سریانی ہوں یا یونانی ہوں اور اسی بیداری کے تحت فارسی، سنسکرت، سریانی اور یونانی زبانوں کے علوم کے عربی ترجمے کی تحریک شروع ہوئی۔

قابلِ ذکر ہے کہ عرب مسلمانوں کے پاس پہلے سے علم وادب وفلسفے کا یہ سرمایہ موجود نہیں تھا، البتہ ان صحرانشینوں میں جدید چیزوں کے سیکھنے کی شدید خواہش، حصولِ علم کی بے پناہ صلاحیت اور اس کے امکانات کو استعمال میں لانے کی بھرپور استعداد پائی جاتی تھی؛ چنانچہ انھوں نے قدیم ثقافتوں سے استفادہ کیا اور جن قوموں پر انھوں نے فتح حاصل کی یا جن قوموں سے ان کا واسطہ رہا، ان کے فکری وارث بن کر سامنے آئے۔ جیسا کہ شام میں یونانیوں کے زیرِ اثر آرامی تہذیب قائم ہوئی اور اسی طرح عراق میں فارسی طرز پر ایک نئی تہذیب قائم ہوئی۔

ابھی بغداد کے قیام پر پہلی صدی کی تین چوتھائیاں بھی نہیں گزری تھیں کہ عالمِ عربی ارسطو کی کتبِ فلسفہ، جدید افلاطونی فلسفے کی منتخب شروح، جالینوس کی طبی کتابوں اور ہندستانی و فارسی علمی کتابوں سے آشنا ہو چکا تھا اور چند سالوں میں ہی عرب محققین اور سکالرز نے ان تمام علوم وفنون کو ہضم کر لیا، جنھیں اہلِ یونان نے صدیوں میں اکٹھا کیا تھا۔

ترجمہ نگاری کا سلسلہ ابھی چل ہی رہا تھا کہ دنیا میں موجود ارسطو کی کتابیں اہلِ عرب کے ہاتھوں میں پہنچ چکی تھیں۔ اس تمام عرصے میں یورپ تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا، اسے

یونانی علم وفکر سے کوئی آشنائی نہیں تھی۔ ہمارے لیے یہ جاننا کافی ہونا چاہیے کہ عصرِ عباسی وہ دور ہے، جس میں ہارون رشید و مامون نے دنیائے مشرق پر یونانی و فارسی فلسفے کے راز منکشف کیے، یہ وہی دور ہے، جس میں ان کے ہم منصب چارلیمان اور اس کے جیالے یہ سیکھ رہے تھے کہ ان کے نام کیسے لکھیں؟ اسلام اور مسلمانوں کے مابین ایک طرف علمِ بیان، منطق اور شعروادب میں ارسطو کی کتابوں اور فرفیروس کی ایساغوجی کو بلند مقام حاصل ہوا، تو ساتھ ہی عربی زبان میں صرف ونحو بھی انسانی علوم کی بنیاد قرار پائے اور مسلمانوں نے اِس جدید افلاطونی فکر کو اختیار کیا کہ ارسطو اور افلاطون کی تعلیمات بنیادی طور پر ایک ہی ہیں۔

عباسی حکومت کے شروع میں ترجمہ نگاری کی ترقی یافتہ تحریک کے بعد دوسرا دور انشا و ایجاد کا دور تھا۔ چوتھی صدی ہجری میں ہی عربی زبان پوری طرح ترقی یافتہ زبان بن گئی، وہ زبان، جسے ماقبل اسلام میں محض شعر کی زبان سمجھا جاتا تھا، وہ ایک زندہ، توانا، مضبوط، آسان و سادہ اور علمی وفلسفیانہ افکار وآرا کے اظہار کا ذریعہ بن گئی، ساتھ ہی وہ دیارِ عرب کے دور دراز خطوں سے لے کر وسط ایشیا و افریقہ اور اندلس تک سیاست وادب کی زبان بھی ہوگئی۔

ڈاکٹر رحاب عکاوی

بیروت

پیش لفظ

آپ کے ہاتھوں میں جو کتاب ہے، یہ دراصل ایک تحقیقی مقالہ ہے، جو میں نے ایم اے کے سالِ آخر میں لکھا تھا، اساتذہ و اکابر اہلِ علم و تحقیق نے اسے بہ نظرِ تحسین دیکھا اور حوصلہ افزائی فرمائی تھی۔ اس کتاب میں مسلمانوں کی علمی تاریخ کے ایک زریں دور پر تاریخی و تحقیقی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میں نے اسے اٹھارہ مختصر ابواب میں منقسم کیا ہے اور ان میں عہدِ عباسی میں علوم و فنون کے فروغ اور ترجمہ نگاری کی عظیم الشان تحریک کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔

پہلے تین ابواب میں عہدِ جاہلیت، آغازِ اسلام اور عہدِ اموی میں ترجمہ نگاری کی تحریک کی ابتدا اور ارتقا کا ذکر ہے، پھر اصل موضوع یعنی عہدِ عباسی کی طرف توجہ دی گئی ہے؛ چنانچہ چوتھے باب میں ترجمہ نگاری کے حوالے سے عباسی خلفا کے کردار و خصوصیات کا جائزہ لیا گیا ہے، پانچویں باب میں ان اسباب کی وضاحت کی گئی ہے، جن کے زیرِ اثر عباسی خلفا نے یونانی، سریانی، ہندی و فارسی علوم و فنون کے ترجمے پر توجہ دی؛ چنانچہ ہم نے اس سلسلے میں کل بارہ اسباب بیان کیے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں ہر چہار جانب علمی و ادبی اور تخلیقی ماحول کا دور دورہ تھا۔

ساتویں باب میں خلفا، وزرا اور عام اہلِ علم کی دنیا بھر کے مختلف علوم و فنون کے ترجمے

میں دلچسپی کا احوال ہے، یہ باب اس اعتبار سے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے کہ اس سے عہدِ عباسی کا دیگر حکومتوں سے ممتاز ہونا واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔ آٹھویں اور نویں باب میں مختلف علوم، ممالک، زبانوں اور مترجمین کی تعداد کا بیان ہے، ان میں عہد عباسی کے ترجمہ نگاروں کی ایک مختصر فہرست بھی دی گئی ہے، ان دونوں ابواب سے جو خاص بات معلوم ہوتی ہے، وہ یہ کہ عہدِ عباسی میں کل کتنے علوم کا کتنی زبانوں سے ترجمہ کیا گیا اور اندازاً اس دور کے مترجمین کی تعداد کتنی تھی؟

دسویں باب میں عہدِ عباسی کے مترجمین کی خصوصیات کا بیان ہے اور یہ بھی غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے؛ کیوں کہ اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی کے تراجم کی کیا علمی و ادبی خصوصیات ہیں؟

بارہویں اور تیرہویں باب میں ترجمہ نگاری کی اس عظیم الشان اور وسیع تر تحریک کے مثبت و منفی نتائج و ثمرات سے بحث کی گئی ہے۔ چودہویں باب میں عہدِ عباسی کے تراجم کے سلسلے میں مستشرقین کے بعض اعتراضات و اشکالات کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ پندرہویں باب میں راقم الحروف نے اپنے مطالعہ و محسوسات کی روشنی میں عہدِ عباسی کے تراجم کی بعض فنی خامیوں کی نشان دہی ہے، اہلِ علم و نظر کو دلائل کی روشنی میں میری ان معروضات کی موافقت یا ان سے اختلاف کی بھرپور آزادی ہے۔

سولہویں باب میں عہدِ عباسی کے نمایاں مترجمین کے مختصر سوانحی خاکے پیش کیے گئے ہیں، ان مترجمین میں مسلمانوں کے علاوہ عیسائی، یہودی اور ہندو سبھی شامل ہیں۔ سترہواں باب اس عہد کے کتب خانوں اور دار التراجم کی تاریخی اہمیت کے بیان کے لیے خاص ہے، اس میں ان ہسپتالوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، جنھوں نے طب و فلسفہ کی کتابوں کے ترجمے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔

اٹھارہویں باب میں عہدِ عباسی کے تراجم کے چند نمونے پیش کیے گئے ہیں، اس سے باذوق قارئین خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ عہدِ عباسی کے ترجموں کی فنی، علمی و ادبی وقعت کیا ہے

اوران کی کیا خصوصیات ہیں؟ اس کے بعد انیسواں باب ہے، جو خاتمۃ الکتاب ہے۔

میں نے گرچہ اس اہم ترین موضوع کے تقریباً تمام پہلوؤں کا اپنے علم ومطالعے کی روشنی میں اجمالاً تاریخی وتحقیقی جائزہ لینے کی کوشش کی ہے، پھر بھی ایک انسان کے طور پر مجھے اس امکانی حقیقت کا اعتراف ہے کہ موضوع کے بعض گوشوں تک میری رسائی نہ ہوسکی ہو، ساتھ ہی کتاب میں علمی وفنی غلطیوں کا بھی امکان ہے، سواصحابِ نظر قارئین سے گذارش ہوگی کہ اگر کتاب کے اندر کسی قسم کی کوئی خامی نظر آئے، تو مطلع فرمائیں، ان شاءاللہ ان کے شکریے کے ساتھ اسے دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ میری اس حقیر کاوش کو قبول فرمائے اور علم وتحقیق کے شعبے میں مزید کاوشوں کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اورنگ زیب اعظمی

نئی دہلی

تقدیم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد مسلمانوں میں خلافتِ راشدہ کا دور شروع ہوا، اصحابِ رائے کے مشورے سے پہلے خلیفۃ المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ مقرر کیے گئے، آپ نے بحسن وخوبی امورِ خلافت کو انجام دیا، اس عہد میں متعدد داخلی فتنوں پر قابو پایا گیا اور خارجی چیلنجز سے نپٹا گیا، ان کے بعد کے تینوں خلفا نے بھی اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ، اسلامی قوت وشوکت کے اضافے اور اسلامی، عربی علوم وثقافت کی ترویج وترقی میں اپنا اپنا رول ادا کیا۔ حضرت حسنؓ کے خلافت سے دست بردار ہونے کے بعد عصرِ اموی کا آغاز ہوا، اس کے پہلے خلیفہ حضرت معاویہ بن سفیانؓ تھے، اموی خلافت کا زمانہ 41ھ-661ء سے لے کر 132ھ-750ء تک رہا اور اسی سال عباسی حکومت کے قیام کے بعد اس کا خاتمہ ہوگیا۔ عباسی خلافت اپنے تمام نشیب وفراز اور عروج وزوال کے مختلف ادوار کے ساتھ 132ھ-656ھ/750ء-1258ء تک قائم رہی۔

●

حضرت حسن بن علیؓ کے خلافت سے دست بردار ہونے کے علاوہ اموی حکومت کے قیام کی اور بھی کئی خارجی وجوہات تھیں، مثلاً حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد فتنہ وفساد

اور اندرونی اختلافات کی کثرت، خوارج کا ظہور اور سارے بلادِ اسلامیہ میں قتل و غارت گری کا دور دورہ، حضرت علیؓ کے بعد مسلمانوں کا ہمہ گیر انتشار اور خلافتِ اسلامیہ کا ضعف؛ ان جیسے محرکات کی وجہ سے خلافتِ بنوامیہ کے قیام میں مدد ملی۔ اس عہد کے نمایاں خلفا میں حضرت معاویہ بن سفیانؓ کے علاوہ یزید بن معاویہ، مروان بن الحکم، عبدالملک بن مروان، سلیمان بن عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز، ہشام بن عبدالملک، ابراہیم بن الولید اور مروان بن محمد ہیں۔ اس عہد میں سیاسی، سماجی، علمی و ادبی سطح پر کئی نمایاں تبدیلیاں رونما ہوئیں، ان میں سے بعض تبدیلیاں مفید اور اچھی تھیں، جن کے اچھے نتائج بھی سامنے آئے، جبکہ بہت سی تبدیلیاں غلط تھیں اور ان کے اندوہناک نتائج سے مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑا اور سو سال سے بھی کم عرصے میں بنوامیہ کی بساطِ حکومت اُلٹ گئی۔

حضرت عثمان کی شہادت کے واقعے سے شروع ہونے والے فتنہ وفساد کی وجہ سے مسلمان اندرونی طور پر بہت منتشر ہو گئے تھے اور ان کا مجموعی ڈھانچہ کمزور ہوتا نظر آ رہا تھا، پھر حضرت علیؓ کی وفات کے بعد کربلا کے واقعے نے ایک دوسرا بحران پیدا کر دیا تھا، مگر اس سب کے باوجود اموی حکومت نے حالات کو قابو کیا، مسلمانوں کی جمعیت کو منظم کیا اور اسلامی فتوحات کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا؛ چنانچہ اس عہد میں مسلمانوں نے کئی اہم معرکے سر کیے اور اسلامی قلمرو کا دائرہ وسیع ہوتا رہا۔ اس عہد میں قتیبہ بن مسلم باہلی، حسان بن نعمان، محمد بن قاسم ثقفی، موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد اور عقبہ بن نافع فہری وغیرہ جیسی قائدانہ صلاحیتوں سے لیس کئی طلسماتی و شجاع شخصیات کا ظہور ہوا، جو آج بھی اسلامی تاریخ میں زندہ جاوید ہیں اور ان کی سیرت و کارنامے مسلمانوں کو عظمتِ رفتہ کا احساس دلاتے ہیں۔ اس عہد میں مسلم دارالخلافہ کو کوفہ سے دمشق منتقل کیا گیا، پولیس کا نظام شروع کیا گیا، ڈاک کے سسٹم کو منظم کیا گیا، اسی طرح بنوامیہ نے خلیفہ کی تعیین و تقرری کے سلسلے میں خلافتِ راشدہ کے طریقے یعنی شورائی نظام کو چھوڑ کر ولیِ عہد مقرر کرنے کا طریقہ ایجاد کیا۔

ادبی و علمی ترقی کے اعتبار سے بھی یہ عہد اہم تھا؛ چنانچہ اس زمانے میں عربی شعر و ادب میں نئی روح بیدار ہوئی، انشا پردازی و شعر گوئی کے نئے موضوعات سامنے آئے اور شعرا و ادبا نے اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھانا شروع کیے۔ عصرِ عباسی میں جو علمی ترقیات سامنے آئیں، ان کی بنیاد دراصل عہدِ اموی میں ہی پڑ چکی تھی اور اسی پر عباسی خلفا نے علم و ادب اور فن و ثقافت کی پوری عمارت کھڑی کی۔ اسی عہد میں جاہلی ادب باقاعدہ شکل میں سامنے آیا، اسلامی علوم کی منظم نشو و نما کا دروازہ کھلا اور غیر ملکی علوم و فنون کے ترجمے کا سلسلہ شروع ہوا۔ عبد الملک بن مروان کے زمانے میں دوسری زبانوں کے علوم و فنون کو عربی زبان میں منتقل کرنے کی تحریک شروع کی گئی، جبکہ ولید بن عبد الملک کے زمانۂ حکومت میں عام طور پر تعلیم کے فروغ پر توجہ دی گئی، جگہ جگہ مدارس کھولے گئے، علوم کو عام کیا گیا، نئی نسل کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی گئی، ہسپتال کھولے گئے اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے نئی نئی اسکیمیں تیار کی گئیں، جن سے لوگ مستفید ہوتے رہے۔

●

مگر اموی حکمرانوں میں بہت جلد ایسی خرابیاں در آئیں، جنھوں نے رائے عامہ کو ان کے خلاف مجتمع کر دیا اور لوگوں میں حکومت کے تئیں بدگمانیاں پھیلتی چلی گئیں، جو بالآخر اس کے خاتمے پر منتج ہوئیں۔ اموی حکمرانوں نے سب سے پہلے تو خلافتِ راشدہ کے منہاج سے بغاوت کر کے حکمراں خاندان سے ولیِ عہد منتخب کرنے کا سلسلہ شروع کیا، جو حساس طبقوں کے لیے ناقابلِ قبول تھا۔ اس کے علاوہ خوارج کی جماعت بھی مسلسل دردِ سر بنی رہی، پھر مختلف عرب قبائل نے خلیفہ کی اطاعت سے انکار کر دیا، ریاستوں میں نافرمانی و سرکشی اور خلیفہ کے خلاف تحریکوں کا ایک لمبا سلسلہ چل پڑا، جس نے عباسیوں کے لیے خلافت و حکومت کا راستہ ہموار کیا۔

اموی حکمرانوں کی نااہلی و بے تدبیری کی وجہ سے لوگ بددل ہو گئے، انھیں شدید

ضرورت محسوس ہورہی تھی کہ کوئی ایسا اللہ کا بندہ سامنے آئے، جو امتِ مسلمہ کی قیادت سنبھالے اور مسلمانوں کے سیاسی بحران کا خاتمہ کرے، معاشرے سے ظلم کو ختم کرکے عدل وانصاف قائم کرے اور دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرے۔ اس سلسلے میں ان کا خیال بنو ہاشم کی طرف گیا؛ چنانچہ انھوں نے ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن الحنفیہ بن علی بن ابو طالب کو خط لکھا، جو اس وقت کے ثقہ علما میں تھے اور دارالخلافہ کے قریب ہی شام میں مقیم تھے۔ اتنا بڑا معاملہ وقت کے حکمران سے کیسے چھپا رہتا، جلد ہی اس وقت کے اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کو اس کا پتا چل گیا، ابو ہاشم اس وقت عمر کی آخری منزل میں تھے، جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ اس مراسلت کا علم خلیفہ کو ہو گیا ہے، تو انھیں اندیشہ ہوا کہ پتا نہیں خلیفہ ان کے خلاف کیا کارروائی کرے، اس اندیشے سے وہ شام سے نکل کر ''حمیمہ'' منتقل ہو گئے، وہاں ان کے چچا علی السجاد بن عبداللہ بن عباس بھی قیام پذیر تھے، وہیں ابو ہاشم کا انتقال بھی ہوا۔ مرتے وقت انھوں نے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو ایک وصیت کی، جس میں انھوں نے اہلِ شام کے ساتھ ہونے والی اپنی مراسلت اور اموی حکومت کے تئیں عوام کی بے چینی اور ان پر لوگوں کے اعتماد کا ذکر کیا، وہ خطوط بھی ان کے سپرد کیے، جو لوگوں نے انھیں لکھا تھا اور کہا کہ: آپ ہی اس (خلافت) کے حق دار ہیں اور یہ آپ کے خاندان میں ہونی چاہیے۔ ان کا انتقال 99ھ (718ء) میں ہوا، اس وقت خلیفہ سلمان بن عبدالملک ہی تھا۔

ابو ہاشم کی بات محمد عباسی کے دل میں اتر گئی، اس نے فوراً ان کی باتوں پر عمل کرتے ہوئے لوگوں سے رابطہ کرنا شروع کر دیا، پھر کچھ افراد کو منتخب کیا اور انھیں یہ کام دیا کہ سارے ملک میں پھیل کر لوگوں کو اُموی حکومت کی خرابیوں، عیوب اور عوام پر کیے جانے والے مظالم سے آگاہ کریں، انھیں بیدار کریں اور ساتھ ہی یہ پروپیگنڈہ بھی کریں کہ اس حکومت کا خاتمہ کرکے اہلِ بیت میں سے کسی ایسے شخص کو خلیفہ بنانا ضروری ہے، جو روے زمین میں عدل و انصاف قائم کرے، مظالم کا خاتمہ کرے اور عوام کی مشکلات کو دور کرے۔ یہ تشہیر بڑے زور و

شور سے کی گئی، حتیٰ کہ پورے ملک میں اس کا چرچا ہونے لگا، تیزی سے رائے عامہ تبدیل ہونے لگی، مگر ابھی فیصلہ کن گھڑی نہیں آئی تھی، یہ سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ 124ھ (742ء) میں محمد عباسی کا انتقال ہوگیا، اس نے مرتے وقت اپنے بیٹے ابراہیم کو اس مہم کو آگے بڑھانے کی وصیت کی، ابراہیم کے دور میں یہ تحریک باقاعدہ طور سے منظم ہوگئی، مختلف شہروں اور اہم علاقوں میں اس کے خاص رہنما اور لیڈر مقرر کیے گئے، مثال کے طور پر کوفے کی ذمے داری ابوسلمہ الخلال کے سپرد کی گئی اور خراسان میں ابومسلم خراسانی کو لیڈر بنایا گیا، پھر 129ھ (747ء) میں ابومسلم کو خراسان اور اس کے اردگرد کے علاقوں میں عباسی خلافت کے تشہیر کاروں کا لیڈر بنادیا گیا، اسے یہ ہدایت دی گئی کہ اب علانیہ طور پر عباسی خلافت کے قیام کے لیے مہم چلائی جائے اور خراسان کو اموی حکومت کے خلاف سرگرمیوں کا مرکز بنایا جائے۔

ابومسلم خراسانی نے ان ہدایات پر فوری عمل درآمد کیا، ہر چہار جانب عباسی حکومت کے قیام کے نعرے گونجنے لگے، اس وقت اموی خلیفہ مروان بن محمد برسرِ اقتدار تھا، ابومسلم نے باقاعدہ خراسان کے دارالسلطنت ''مرو'' پر دھاوا بول دیا اور قریب تھا کہ وہ قبضہ کرلیتا، مگر پہلی بار ایسا ممکن نہ ہوسکا۔ بنوامیہ کی طرف سے خراسان کے والی نصر بن سیار نے مروان سے مدد چاہی اور لکھا کہ اب آپ کی حکومت کے لیے حقیقی خطرہ پیدا ہوچکا ہے، اختلاف واحتجاج کی آگ بھڑک چکی ہے اور اس سے بچنا مشکل ہے۔ خلیفہ اس کے خط اور فریاد کی طرف کوئی توجہ ہی نہ دے سکا؛ کیوں کہ اس وقت وہ شام میں اپنے حلیفوں کی نافرمانی وسرکشی سے نپٹنے میں مصروف تھا، اس نے خراسان کے لیے کوئی مدد نہیں بھیجی، ابومسلم کو اندازہ ہوگیا کہ والیِ خراسان زیادہ دن ٹک نہیں سکتا؛ چنانچہ اس نے بھاری جمعیت اکٹھا کی اور سال بھر کے اندر ہی مرو پر دوبارہ ہلا بول دیا، اس مرتبہ آسانی سے اس پر قبضہ کرلیا، نصر بن سیار اپنی جان بچا کر بھاگ نکلا۔ اس فتح سے ابومسلم کے حوصلے کو پر لگ گئے؛ چنانچہ اس نے یکے بعد دیگرے کئی شہر مثلاً سمرقند، بلخ، طخارستان، طبسین حتیٰ کہ پورے خطۂ خراسان پر قبضہ کرلیا، وہ جس شہر پر بھی قبضہ کرتا، وہاں کے

لوگوں سے کتاب اللہ، سنت رسول اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تئیں رضامندی (یعنی اہل بیت میں سے کسی کے خلیفہ مقرر کیے جانے) کا عہد لیتا اور بیعت کرتا۔ خراسان پر مکمل قبضے کے بعد ابومسلم اس غور وفکر میں لگ گیا کہ اب کس علاقے کو ٹارگیٹ کیا جائے۔

حیرت ہوتی ہے کہ اس پوری مدت میں بنوامیہ کو حالات کی اس قیامت خیز تبدیلی و انقلاب کا اندازہ ہی نہیں ہوسکا۔ اسی اثنا میں مروان بن محمد کے ہاتھ ابراہیم عباسی کا ایک خط لگا، جس میں اس نے اپنے رضاکاروں اور مبلغین کو ہدایات دی تھیں، اس میں اس کے مستقبل کے منصوبے اور تنظیم سے متعلق اہم معلومات بھی تھیں، مگر اس وقت خلیفہ مروان اپنی خستہ و بےبس حکومت کو کسی طرح قائم رکھنے اور مقامی سطح پر باغی عناصر سے نپٹنے میں مصروف تھا، دوسرے یہ کہ اس کو معاملے کی خطرناکی کا صحیح ادراک ہی نہ ہوسکا؛ چنانچہ اس خط کو پڑھنے کے بعد اس نے قائم بامراللہ کو لکھ دیا کہ حمیمہ جاکر ابراہیم عباسی کو گرفتار کرکے قید میں ڈال دے؛ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، ابراہیم کو گرفتار کرکے پس دیوار زنداں ڈال دیا گیا، قید کی حالت میں ہی 132ھ (750ء) میں اس کا انتقال ہوا۔ ابراہیم کو جب اپنی گرفتاری کے حکم کی خبر ملی، تو اسے یہ بھی اندازہ ہوگیا کہ اس کی موت بھی اب قید میں ہی ہونے والی ہے، دوسری طرف اس کے حامیوں اور رضاکاروں کی جماعت مسلسل فتح ونصرت حاصل کرتی جارہی تھی، حتی کہ اس وقت تک کوفہ بھی ان کے قبضہ وتصرف میں آچکا تھا؛ چنانچہ اس نے اپنے بھائی ابوالعباس کے لیے امامت (خلافت) کی وصیت کی اور اسے اہلِ خانہ سمیت کوفہ کوچ کرجانے کا حکم دیا اور کہا کہ وہاں عباسیین کے نمایندہ ابوسلمہ الخلال سے ملاقات کرے، وہ اسے مکمل تحفظ اور سکیورٹی فراہم کروائے گا اور اموی حکمران اس تک نہیں پہنچ سکیں گے۔

●

ابوالعباس صحیح سالم کوفہ پہنچ گیا، اسے محفوظ پناہ گاہ بھی مل گئی، کچھ دنوں کے بعد بہ طور خلیفۃ المسلمین ابوالعباس کے ہاتھ پر بیعت کا سلسلہ شروع ہوا، بارہ ربیع الاول 132ھ

(750ء) کو اس نے کوفہ کی مسجد میں مسلمانوں کے ایک بڑے مجمع سے خطاب کیا، جس میں اس نے باقاعدہ طور پر خلافتِ عباسیہ کے قیام کا اعلان کر دیا، اس نے اپنے پہلے عوامی خطاب میں کہا:

> ''مجھے امید ہے کہ جہاں سے آپ کو خیر کی خبر ملی ہے، وہاں آپ پر ظلم و زیادتی نہیں ہوگی، جہاں آپ صلاح دیکھ رہے ہیں، وہاں فساد نظر نہیں آئے گا، ہم اہلِ بیت اللہ کی توفیق و عنایت سے ہی کام کریں گے۔ اے اہلِ کوفہ! ہمیں تم سے خاص محبت و تعلق ہے، تم ہمارے لیے سب سے مبارک لوگ ہو اور ہمارے اوپر تمھاری بے شمار کرم فرمائیاں ہیں، (تمھاری انھی خوبیوں کے اعتراف میں) میں نے تمھارے عطایا میں سو سو درہم کا اضافہ کر دیا ہے؛ لہٰذا تم سب ہمیشہ (ہماری مدد کے لیے) تیار رہنا؛ کیوں کہ میں بہت زیادہ نوازنے والا اور سخی انسان ہوں''۔
>
> (سامی عبداللہ المغلوث، اطلس تاریخ الدولۃ العباسیۃ، ص:37)

اس تقریر میں اس نے اپنی صفتِ سخاوت کو بیان کرنے کے لیے ''السفاح الهائج والثائر المنيح'' کا لفظ استعمال کیا تھا، یہیں سے اسے ''سفاح'' کا خطاب ملا اور وہ ابوالعباس السفاح کے نام سے مشہور ہو گیا، حالاں کہ تاریخ میں یا عوام کے درمیان عام طور پر ''سفاح'' کا وہ معنی مراد نہیں لیا گیا، جو اس نے اپنی تقریر کے دوران مراد لیا تھا، چوں کہ وہ خلافت سنبھالتے ہی امویوں کے لیے تیغِ براں ہو گیا تھا اور انھیں اس نے نہایت بے دردی سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر مارا اور بے تحاشا خون بہایا؛ اس لیے اس کا لقب ''السفاح'' ایک دوسرے معنی (بہت زیادہ خون بہانے والا) میں مشہور ہو گیا اور اس کا شناس نامہ بن گیا۔

اس واقعے کے بعد جگ ظاہر ہو گیا کہ بنوامیہ کے مقابلے میں ایک دوسری حکومت باقاعدہ قائم ہو چکی ہے اور اس کا خلیفہ بھی طے کیا جا چکا ہے، بنوعباس کو عوام کی بھی بھرپور حمایت حاصل تھی، ان کا حوصلہ بلند تھا، وہ جب باقاعدہ عوام کے سامنے نہیں آئے تھے، تبھی کئی اہم علاقے فتح کر چکے تھے، اب تو ان کی حکومت قائم ہو چکی تھی، انھیں بنوامیہ کی لاچارگی و

بیچارگی اور حکومت کی بے بسی کا بھی بہ خوبی اندازہ تھا؛ چنانچہ انھوں نے بنوامیہ پر فیصلہ کن حملے کی ٹھانی اور عباسیوں وامویوں میں موصل کے قریب دریائے دجلہ سے نکلنے والی ایک نہر کے قریب گھمسان کا رن پڑا، عباسی فوج کی قیادت خلیفہ کا بھائی عبداللہ بن علی کررہا تھا اور اموی فوج کی قیادت خلیفہ مروان بن محمد کے ہاتھ میں تھی۔ دونوں میں مقابلہ تو کوئی تھا ہی نہیں، نفسیاتی طور پر اموی پہلے ہی ہزیمت خوردہ نظر آرہے تھے، حقیقتاً جب آمنے سامنے ہوئے، تو اموی فوج عباسیوں کے سامنے ٹک نہ سکی، خود مروان میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ نکلا، محمد بن علی نے اس کا پیچھا کیا، پیچھا کرتے ہوئے دمشق پر قبضہ کیا، یکے بعد دیگرے شام کے دوسرے شہروں پر قبضہ کرتا گیا، دمشق پر قبضے کا مطلب تھا کہ اب بنوامیہ کی خلافت پوری طرح ختم ہوچکی اور سیاسی فتح بنوعباس کو حاصل ہوچکی ہے۔ مروان بھاگتا ہوا مصر پہنچا، مسلسل آٹھ ماہ تک جہاں تہاں چھپتا اور جان کی امان تلاش کرتا رہا، بالآخر ''ابوصیر'' نامی گاؤں کے پاس اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ اس طرح سیاسی عروج و حکمرانی کا ایک عہد اختتام پذیر ہوا اور نئے عہد کی شروعات ہوئی۔ سن 132ھ (750ء) ہمیشہ کے لیے اس عظیم الشان تاریخی انقلاب کا چشمِ دید گواہ بن گیا۔ نئی قائم ہونے والی حکومت ''الدولة العباسية'' کے نام سے جانی گئی، چوں کہ اس کے بانی حضور اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے؛ اس لیے اس کی نسبت ان کی جانب کی گئی۔

●

بعض مؤرخین نے عصر عباسی کو دو الگ الگ ادوار میں منقسم کیا ہے، ایک دور کو ترقی اور عروج کا دور کہا جاتا ہے، جو قیامِ خلافت سے لے کر معتصم کی خلافت تک برقرار رہا اور اس کی موت (227ھ-841ء) پر اس سنہرے دور کا خاتمہ ہوگیا، جبکہ دوسرا دور انتشار و خلفشار و انحطاط کا دور کہلاتا ہے، اس کی ابتدا متوکل علی اللہ کی خلافت سے ہی ہوگئی اور تاتاریوں کے ہاتھوں خلافتِ عباسیہ کے مکمل انہدام و اختتام (656ھ-1258ء) پر یہ دور پورا ہوگیا۔

مؤرخین کی ایک دوسری جماعت نے پورے عباسی دور کے سیاسی وسماجی احوال کو سامنے رکھتے ہوئے اسے چار مختلف ادوار میں منقسم کیا ہے، پہلا دور لگ بھگ سو سال رہا، جس میں فارسی تہذیب وثقافت اور سیاست حاوی رہی، اس عہد میں سات خلفا ہوئے، یہ زمانہ عباسی خلافت کی قوت، شوکت اور ترقی کا زمانہ تھا۔ عہدِ عباسی ثانی بھی تقریباً سو سال رہا، اس دوران سرکار میں ترکوں کا اثر ورسوخ حاوی ہوگیا اور اسی عہد میں مختلف ناحیوں سے عباسی سلطنت میں کمزوریوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ عہدِ عباسی ثالث بھی تقریباً سو سال رہا، اس عہد میں خلافت پوری طرح کمزور ہوگئی، مختلف علاقوں میں مختلف قبائل نے بغاوت کر کے اپنی حکومتیں قائم کرلیں اور کئی والیانِ حکومت خود مختار ہوگئے، موصل اور حلب میں حمدانی غالب آگئے، شیراز کے خطے میں بُویہی سلطنت قائم ہوگئی، فسطاط اور مصر کے علاقے میں انخشیدی حاکم ہوگئے۔ تیسرا دور ہلاکو کے بغداد پر قبضے کے بعد پورا ہوجاتا ہے، اس کے بعد باضابطہ عباسیوں کی خلافت قائم نہیں رہی، البتہ ایک مذہبی علامت کے طور پر مملوکیوں کی حکومت میں اسے برقرار رکھا گیا اور 1517ء میں اس کا مکمل خاتمہ ہوگیا۔

مجموعی طور پر عباسی حکومت تقریباً پانچ سو سال قائم رہی، دنیا کا ایک بہت بڑا خطہ اس کے زیرِ نگیں تھا، تاریخ فخری میں ابن الطقطقی نے اس کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ’’اس حکومت کی بے شمار خوبیاں تھیں، علم وادب کا دور دورہ تھا، دینی شعائر کی تعظیم کی جاتی تھی، خیر کے کام بہ کثرت کیے جاتے تھے، دنیا آباد وشاد تھی، عزت وحرمت کا پاس ولحاظ کیا جاتا تھا، سرحدیں محفوظ تھیں، جب تک یہ صورتِ حال برقرار رہی، سب ٹھیک چلتا رہا، پھر آخری دور میں مظالم بڑھ گئے، ان کا اثر حکومت پر پڑا اور عباسیوں کی شوکت و قوت جاتی رہی، حتیٰ کہ دوسرے لوگ تختِ حکومت پر قابض ہوگئے‘‘۔

(محمد بن علی بن طباطبا معروف بہ ابن الطقطقی، الفخری فی الآداب السلطانیۃ والدول الاسلامیۃ، ص:50-149، ط: دار صادر، بیروت)

●

ابوالعباس السفاح خلافتِ عباسیہ کا بانی اور پہلا خلیفہ تھا، اس نے انبار کو دارالخلافہ بنایا اور اپنی خلافت کا سارا عرصہ بچے کھچے اموی حکمرانوں اور ان کے معاونین کے تعاقب میں گزارا، اس کی گرفت سے صرف عبدالرحمن الداخل اور اس کے اہل وعیال ہی بچ سکے اور اس نے اندلس جا کر نئی حکومت قائم کرلی، اب سفاح نے ان لوگوں کا پیچھا کرنا شروع کیا، جنھوں نے اندلس میں قیامِ حکومت کے سلسلے میں الداخل کی مدد کی تھی؛ چنانچہ اس نے ابوسلمہ الخلال کو قتل کیا اور ابومسلم خراسانی بھی اس کی نظر میں تھا کہ اس کی وفات ہوگئی۔ ذاتی زندگی میں سفاح ایک خوب صورت، شریف النفس، باوقار اور سخی انسان تھا، اس کی خلافت کا زمانہ محض چار سالوں پر محیط ہے، اس کی موت چیچک کے مرض میں ہوئی، تب اس کی عمر محض 33/سال تھی۔ اس کے بعد اس کے بھائی ابوجعفر منصور نے زمامِ خلافت سنبھالی، اس معنی میں ابوجعفر کو عباسی خلافت کا اصل بانی سمجھا جاتا ہے کہ اس نے سیاست ومذہب کے درمیان ہم آہنگی قائم کی، سلطنت کی سرحدوں کو پختہ ومضبوط کیا، بغداد نامی شہر بسایا، جس نے بعد میں اسلامی سیاسی تاریخ میں غیر معمولی مقام واہمیت حاصل کی، ابوجعفر منصور خود ہی امورِ مملکت کی نگرانی کرتا، فوج کی سرگرمیوں کا معائنہ کرتا، قلعوں کی دیکھ ریکھ خود کرتا اور اپنے عمال کا حساب کتاب بھی خود ہی لیتا تھا۔ اس نے اپنا وزیر خالد بن برمک کو بنایا، جس سے خلافتِ عباسیہ میں برامکہ کا اقبال وعروج شروع ہوا اور شروع زمانے میں ان کا کافی اثر ورسوخ رہا۔ ابوجعفر کے بعد خلافت اس کے بیٹے مہدی نے سنبھالی، اس کے دور میں حکومت میں مزید پختگی آئی، وہ ایک شریف النفس اور رحمدل خلیفہ تھا، خلافت سنبھالتے ہی اس نے اپنے والد کے ذریعے کیے گئے تمام غیر مناسب اقدامات کو کالعدم قرار دیا، بہت سے سیاسی قیدیوں کو رہا کروایا، بنوہاشم کو ان کا حق لوٹایا، تعلیمی نظام کو پختہ کیا اور جگہ جگہ تعلیم گاہیں قائم کیں، حرمِ نبوی کی توسیع کی، مکہ مدینہ کے درمیان تمام راستے پر سرائے تعمیر کروایا، پانی کا انتظام کروایا، ڈاک کا نظام ٹھیک کیا، مغربی یورپ کے بادشاہ چارلمان (چارلی دی گریٹ)

سے معاہدہ کیا، البتہ مشرقی روم سے خلافت عباسیہ کی سخت عداوت تھی، جو مہدی کے دور میں بھی باقی رہی؛ چنانچہ خشکی وتری میں کئی لڑائیاں لڑی گئیں، حتی کہ ہارون رشید کے زمانے میں وہاں کی ملکہ ایرینی جزیہ دینے پر راضی ہوئی اور مصالحت عمل میں آئی۔ مہدی کے بعد موسی ہادی خلیفہ بنایا گیا، مگر محض چودہ ماہ بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

اس کے بعد ہارون رشید سریر آرائے سلطنت ہوا اور اس کی حکومت کئی اعتبار سے تاریخی ثابت ہوئی، وہ نہ صرف سیاسی بصیرت کا حامل تھا؛ بلکہ علم وفضل اور حکمت ودانش کے اعتبار سے بھی امتیازی شان رکھتا تھا، وہ لوگوں میں خود گھوم پھر کر ان کے احوال پتا کرتا، ان کے مسائل کو حل کرتا، علما کی مجلسوں میں بیٹھتا اور ان کی باتیں سنتا، اس نے تعلیم گاہیں، مساجد، پل، ہسپتال وغیرہ وافر مقدار میں بنوائے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسے اپنی رعایا کی بہت زیادہ فکر تھی، اس کے زمانے میں بغداد شہر کی وسعت وآبادی بے پناہ ہو گئی، دارالسلطنت کی آبادی دو ملین تک پہنچ گئی، ہندستان، چین، شام، الجزائر اور مشرق بعید کے ممالک سے تجارتی روابط قائم کیے گئے، ٹیکس کی آمدنی میں اضافہ ہوا۔ آمدنی کی کثرت کی وجہ سے خرچ بھی دل کھول کر کیا جانے لگا؛ چنانچہ خلیفہ اور اس کے وزرا اہلِ علم وادب کو فیاضی کے ساتھ نوازتے اور ضرورت مندوں کی ضرورت خوش دلی کے ساتھ پوری کی جاتی۔ ہارون رشید کے زمانے میں حکومت اور رعایا کی خوشحالی وتعیش کے چرچے چاردانگ عالم میں ہونے لگے اور وہ اسلامی سیاسی تاریخ کا دائمی حصہ بن گئے۔ ہارون نے اپنے بعد اپنے بیٹوں امین، مامون اور قاسم کو ولی عہد بنایا اور مسلسل 23 رسال تک بے مثال حکمرانی کرنے اور ساری دنیا میں اپنی حکومت وسیادت، حکمت ودانش مندی، مرفہ الحالی وخوش عیشی کا ڈنکا بجانے کے بعد 193ھ (809ء) میں وفات پا گیا۔ اس کے بعد امین خلیفہ ہوا، مگر وہ ناکارہ ثابت ہوا، اپنے بھائی مامون سے لڑ گیا، ہزیمت اٹھانی پڑی، قتل کیا گیا اور مامون خلیفہ ہو گیا۔ مامون ایک عالم فاضل انسان تھا، اس کی خلافت کے دور میں علم وفن کا بہت زیادہ بول بالا ہوا،

خاص طور پر مختلف علوم وفنون کی کتابوں کے ترجمے کیے گئے، بیت الحکمت کو باقاعدہ ایک تصنیفی وتحقیقی ادارے کا روپ دیا گیا اور یونانی حکمت وفلسفہ کا بہت بڑا ذخیرہ عربی زبان میں منتقل ہوا۔ 218ھ (833ء) میں اس کی وفات ہوگئی اور اس کے بعد اس کا بھائی معتصم خلیفہ ہوا، اسی کے دور سے داخلی وخارجی فتنوں کا آغاز ہوا، جس کا سلسلہ روز بروز بڑھتا گیا، اقتصادی حالت بگڑنے لگی، غیر عربی عناصر اور قوتیں سر ابھارنے لگیں اور مرکز کی طاقت کمزور پڑنے لگی۔ مختلف علاقوں میں چھوٹی چھوٹی خودمختار ریاستیں وجود میں آگئیں، اسی عہد میں مسلمانوں میں بھانت بھانت کے فرقے وجود میں آئے، جنھوں نے اسلام کی اصل تعلیمات کو مسخ کرنے اور اپنی نفسانی وسیاسی خواہشات واغراض کی تکمیل کے لیے قرآن و سنت کا سہارا لیا اور اسی دور میں دین کی من چاہی تعبیر وتشریح کے چلن کی بنیاد پڑی۔

●

عصر عباسی میں فکری اعتبار سے مسلمان عروج وترقی کے کمال تک پہنچے، خاص کر علوم و فنون اور ادب کے شعبوں میں ہونے والی ترقی بے مثال تھی، اس عہد میں متعدد ثقافتی تحریکیں رونما ہوئیں، مختلف قوموں کے اختلاط کے سبب فکری سطح پر ایک نئی فضا قائم ہوئی، اسی طرح اس عہد میں یونانی، فارسی، سنسکرت وغیرہ کے علمی وادبی سرمایوں کو عربی میں منتقل کیا گیا۔ خلفا، امرا اور اعلیٰ سرکاری افسران نے اس کی حوصلہ افزائی کی، عربوں نے دوسری تہذیب وتمدن کا اپنے یہاں استقبال کیا؛ ان سب کی وجہ سے عصرِ عباسی کو ایک خاص امتیاز حاصل ہوگیا، جس سے اموی دور خالی تھا۔

عصر عباسی میں مسلمانوں کے زیر تسلط علاقوں کی قومی زبان عربی ہوتی تھی، اسی طرح علم وادب اور فلسفے کی زبان بھی عربی تھی۔ حکمت اور فلسفے کی کتابیں تو عربی میں منتقل کی گئیں، مگر دوسری زبانوں کا ادب عربی میں منتقل نہیں کیا گیا؛ کیوں کہ اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ بہت سے اہلِ علم وقلم جو عجمی النسل تھے اور انھوں نے عربی زبان میں لکھا، ان پر بھی

عربیت کا اثر غالب رہا، البتہ کچھ کچھ عجمی آثار بھی عربی میں منتقل ہوئے، عجمی زبانوں کے بہت سے الفاظ، تعبیرات، اصطلاحات وترکیبات عربی زبان میں منتقل ہوئیں، بعد کے دنوں میں عربی انشا پردازی وخطوط نگاری میں بہت سی عجمی روایات عام ہوگئیں۔

عصر عباسی میں علوم کی بے پناہ اشاعت ہوئی، تحقیق وتدوین پر خاص توجہ دی گئی، کتب خانے قائم کیے گئے، کتابوں کی تجارت کو فروغ حاصل ہوا، مختلف علوم وفنون مثلاً: تاریخ، جغرافیہ، فلکیات، ریاضیات، طب، کیمیا، میڈیکل سائنس، صرف ونحو، زبان وتنقید، شعر، قصص ومذہب، فلسفہ وسیاست، اخلاق ومعاشرت وغیرہ پر باقاعدہ تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ ابن الندیم کی ''الفہرست'' سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور کی تصنیف و تالیف کے موضوعات میں بے پناہ تنوع تھا۔

عصرِ عباسی کے ادیبوں نے دنیا کی مختلف تہذیبوں کی عقلی حصول یابیوں سے استفادہ کیا، تعلیل، استنباطِ نتائج وغیرہ کے باب میں قدرت وصلاحیت حاصل کی۔ اس طرح عصر عباسی کا ادب ماضی کے مقابلے میں نہایت ثروت مند ہوگیا۔ اس کا اندازہ لگانا ہو، تو ابونواس، ابوتمام، متنبی اور ابوالعلامعری وغیرہ کی شاعری اور ابن المقفع، جاحظ، بدیع الزماں، ابن العمید، صاحب بن عباد، قاضی فاضل وغیرہ کی نثر کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

جب تہذیب وثقافت میں گہرائی وتنوع پیدا ہوا، تو انسانی تجربات میں بھی گیرائی پیدا ہوئی؛ چنانچہ اس عہد کے ادب نے انسانی جوہر کی عمدہ تصویر کشی کی اور امید وناامیدی، قوت وکمزوری اور خوشی وغم جیسے انسانی احوال وکیفیات کی بخوبی نقشہ کشی کی، اسی طرح عصرِ عباسی کے ادب نے معاشرہ، فکر، سیاست واخلاق کے مسائل ومشکلات کی بھی ترجمانی کی، جس کے مناظر ہم ابونواس کی خمریات، ابن رومی کے افکار وخیالات، متنبی کی حکمت ودانش، ابوفراس کی وجدانیات، معری کے تفکر وتدبر، ابن المقفع کے قصوں، کہانیوں اور امثال اور جاحظ کی تنقیدات میں دیکھ سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی کئی ایسے بالا بلند افراد اس دور میں

پیدا ہوئے، جنھوں نے عربی زبان و ادب کے گیسوے برہم کو سنوارا، نثر و نظم میں نئے نئے گوشے اور راہیں نکالیں، عربی صرف و نحو اور لغت پر گراں قدر تصنیفی سرمایہ اکٹھا کیا اور عربی تنقید کی بنیاد اٹھائی۔

شرعی علوم کے ماہرین و متخصصین بھی اس عہد میں بے شمار پیدا ہوئے، جن کے علمی و فکری سرمایے سے آج بھی مسلم دنیا مستفید ہو رہی ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، فکر و فلسفہ اور دیگر شعبوں میں آج جو علمی ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اس کا دو تہائی سے زائد حصہ عہدِ عباسی کی پیداوار ہے، تو غلط نہ ہوگا۔

علومِ قرآن میں میں امام احمد بن حنبل کے استاذ ہشیم بن بشیر، امام النحو اور قراءِ سبعہ میں سے ایک علی بن حمزہ کسائی (معانی القرآن)، یحی بن زیاد معروف بہ فرّا (معانی القرآن)، امام اخفش (معانی القرآن)، ابو عبید قاسم بن سلام بغدادی (غریب القرآن، المجاز فی القرآن، معانی القرآن)، عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ (معانی القرآن، مشکل القرآن، غریب القرآن)، محمد بن جریر طبری (جامع البیان عن وجوہ تاویل آی القرآن)، امام احمد بن علی رازی الجصاص (احکام القرآن)، ابوبکر بن العربی الاندلسی (احکام القرآن) وغیرہ۔ حدیث میں بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، قاضی یحی بن یحی لیثی، ابن مندہ، بغوی اور دیگر۔ فقہ میں چاروں فقہی مسالک: حنفی، مالکی، شافعی و حنبلی اسی دور میں معرضِ ظہور میں آئے اور امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کی فقہی آرا پر ہی عام مسلم دنیا میں عمل کیا جاتا تھا، ان کے علاوہ بھی اس دور میں کئی ائمۂ فقہ پیدا ہوئے، البتہ ان کی فقہ بہ وجوہ مسلمانوں میں زیادہ دن رائج و نافذ العمل نہ رہ سکی اور بہت محدود مدت تک گنے چنے مسلمانوں کے درمیان رائج رہ کر تاریخ کا حصہ بن گئی۔

مؤرخین میں ابن جریر طبری (تاریخ الرسل والملوک)، یعقوبی (تاریخ الیعقوبی) احمد البلاذری (فتوح البلدان، انساب الاشراف)، ابوحنیفہ دینوری (الاخبار الطوال)، علی بن

حسین مسعودی (مروج الذھب و معادن الجوہر، التنبیہ والاشراف)، ابن الاثیر (الکامل فی التاریخ، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ)، ابن حوقل (المسالک والممالک)، اصطخری (صور الاقالیم، مسالک الممالک)، المقدسی (احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم)، یاقوت الحموی (معجم البلدان)۔ فلسفہ و عقلی علوم کے ماہرین میں فارابی (احصاء العلوم، السیاسۃ المدنیۃ وغیرہ)، شیخ الرئیس ابن سینا (الاشارات، الشفاء، النجاۃ وغیرہ) اسلام کا عقلی دفاع کرنے والوں میں امام ابوحامد الغزالی (تہافت الفلاسفۃ، احیاء علوم الدین وغیرہ) کے نام اہم ہیں۔ اسی طرح اس عہد میں طب، فلکیات، ریاضیات وطبیعیات کے ماہرین بھی کثرت سے پائے گئے، جن میں فارابی و ابن سینا سرفہرست ہیں، ابوبکر زکریا رازی عہد عباسی کے ماہر ترین اطبا میں شمار ہوتے ہیں، ان کی کتاب ''الحاوی'' عہدِ وسطیٰ میں علمِ طب پر پوری دنیا میں لکھی گئی کتابوں میں سب سے اہم ہے، دوسرے نمبر پر ابن سینا کی ''القانون'' ہے، بعد کے ادوار میں یورپ نے جدید علمِ طب کی اساس انہی دونوں کتابوں سے اخذ و استفادے پر رکھی۔

●

عہدِ عباسی کی بے مثال علمی، ادبی، فنی وثقافتی ترقی اور ان شعبوں میں عظیم الشان کارناموں کی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ اس دور کے حکمرانوں نے عموماً نظامِ حکومت سنبھالنے کے ساتھ ان شعبوں پر بھی خاص توجہ دی اور انھوں نے ذوق وشوق کے ساتھ علم وادب پروری میں دلچسپی لی؛ چنانچہ جاننے والے جانتے ہیں کہ عباسی دورِ حکومت میں دنیا کا کوئی بھی ایسا علم و فن نہیں تھا، جس پر باقاعدہ حکومت کی نگرانی میں درس وتدریس یا تالیف وتصنیف اور تحقیق کا کام نہ ہوا ہو۔ عہدِ جاہلیت میں عربوں کے پاس علم وفن کے نام پر کچھ خاص نہیں تھا، صرف عربی زبان، خطابت اور شاعری یا تجربات پر مشتمل بعض علوم تھے، اسلام کی آمد کے بعد ان علوم میں اضافہ شروع ہوا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت کے مفید علوم اور زبانوں کے سیکھنے

کی حوصلہ افزائی کی، یہ سلسلہ خلفاے راشدین کے زمانے میں بھی قائم رہا، پھر بنوامیہ کے دورِ حکومت میں بھی بعض علوم کو عربی زبان میں منتقل کیا گیا، اس کے بعد جب عباسی حکومت کا دور آیا، تو اس شعبے میں ایک انقلابِ عظیم رونما ہوا۔ عباسی حکمرانوں میں خلیفہ منصور، پھر ہارون رشید نے بہ وجوہ نئے نئے علوم میں دلچسپی لینا شروع کی اور انھوں نے جن ممالک کو فتح کیا، وہاں کے علوم کا عربی زبان میں ترجمہ کروایا، سریانی، یونانی، سنسکرت، فارسی اور دیگر کئی زبانوں کی مختلف علوم وفنون پر مشتمل کتابوں کے ترجمے کے لیے ان زبانوں کے ماہرین کو بلایا جاتا اور انھیں معقول ترین معاوضوں کے ساتھ تمام تر سہولیات فراہم کی جاتیں۔ مامون رشید تک پہنچ کر یہ سلسلہ مزید منظم ہوا، بیت الحکمت جس کی بنیاد پہلے ہی پڑ چکی تھی، اسے ایک باقاعدہ علمی، فکری، تحقیقی و تصنیفی ادارے کی شکل دی گئی، اس میں سیکڑوں علما، مؤرخین، ادبا و مصنفین رکھے گئے اور ان کے ذریعے کتابیں لکھوائی گئیں۔ ترجمہ نگاری کے ذریعے نئے نئے علوم سے اہل عرب آشنا ہوئے اور جوں جوں ان پر تحقیق واکتشاف کے در وا ہوتے گئے، ان کی علمی و فکری دلچسپیاں بھی بڑھتی گئیں؛ چنانچہ پچاسوں زبانوں کی سیکڑوں معرکۃ الآرا تصانیف کے ترجمے ہوئے۔ جالینوس، سقراط اور ارسطو کی کتابوں اور ان کے فکری سرمایے کو عربی زبان میں منتقل کر کے بقاے دوام عطا کیا گیا، علمِ طب، فلکیات، ریاضیات، طبیعیات، علم نجوم، حکمت و فلسفہ، اخلاق و آداب، قصے کہانیاں، تاریخ، جغرافیہ، ادب اور نہ جانے کن کن علوم وفنون کی نہایت اہم کتابیں، جو نایاب ہونے کے کگار پر تھیں، انھیں عباسی حکمرانوں کے ذوقِ علم پروری نے زندگیِ نو عطا کی، بعد میں ان سے مختلف قوموں نے استفادہ کیا اور اپنی تعمیر و ترقی کی بنیادیں استوار کیں۔

عہدِ عباسی میں ترجمہ نگاری ایک تحریک کی شکل اختیار کر چکی تھی اور عباسی دور کو علم و تحقیق کے باب میں جو خصوصیت و امتیاز حاصل ہے، اس کی ایک اہم وجہ ترجمہ نگاری بھی ہے؛ کیوں کہ اسی کی بہ دولت عرب علما و مفکرین جدید علوم وافکار سے آشنا ہوئے، عقلیت پسندی،

معروضیت اور سائنسی طرزِ فکر کا عام رواج قائم ہوا اور پھر مسلمانوں میں کئی اہم سائنس داں، محققین ومفکرین پیدا ہوئے، علمی وادبی شعبوں میں بھی تنوع وتوسع پیدا ہوا، علمی اصناف اور ادبی شاخوں میں پھیلاؤ آیا، لوگوں کے ذہن وسیع ہوئے، ان کی فکروں میں کشادگی آئی اور مسلمانوں نے علم ونظر کے باب میں عالمِ انسانیت پر عظیم احسانات کیے، مگر اس سب کے باوجود عباسی دورِ حکومت پر موجود تصنیفی ذخیرے میں اس حوالے سے کمی پائی جاتی ہے، مجموعی طور پر تو عباسی دورِ حکومت کی ترجمہ نگاری کا تذکرہ ہوتا ہے، عباسی دور کے چند اہم ترجمہ نگاروں کا بھی ذکر ہوتا ہے، مگر اس حوالے سے کسی ایک تصنیف میں یکجا طور پر عموماً معلومات دستیاب نہیں ہیں؛ چنانچہ اگر ہمیں یہ معلوم کرنا ہو کہ عہدِ عباسی میں کس کس زبان اور کس کس فن کی کتابوں کے ترجمے کیے گئے؟ کہاں کہاں سے ترجمہ نگاروں کو بلوایا جاتا تھا؟ ان کی مجموعی تعداد اندازاً کتنی تھی؟ اس دور کے ترجمے کس کس نوعیت کے ہوتے تھے؟ ان تراجم کی خصوصیات کیا ہیں اور خامیاں کیا ہیں؟ کیا اس ضمن میں صرف بیت الحکمت کا کردار رہا یا اس کے ساتھ ساتھ دوسرے ادارے بھی ترجمہ نگاری کی تحریک کو فروغ دے رہے تھے؟ اس حوالے سے عباسی حکمرانوں کے ساتھ اس دور کے عوام کا کیا رول تھا؟ عام لوگوں کا علمی مذاق اور فکری وتحقیقی رجحان کیسا تھا؟ تو ہمیں خاصی دشواریوں کا سامنا پڑتا ہے، ان سب پہلوؤں پر مختلف تاریخی کتابوں میں منتشر معلومات تو ملتی ہیں، مگر ایک جگہ مفصل بیان نہیں ملتا۔

محترم ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی کی کتاب "حركة الترجمة في العصر العباسي" بڑی حد تک اس کمی کو دور کرتی ہے۔ اس کتاب میں عباسی دورِ حکومت کی اس عظیم الشان علمی خصوصیت کا تاریخی وتحقیقی جائزہ لیا گیا ہے، ابتداءً عربوں میں ترجمہ نگاری کی قدیم روایت کا جائزہ لیتے ہوئے اسلامی دور کے آغاز، پھر خلفاے راشدین اور اس کے بعد عہدِ بنوامیہ میں ترجمے کی روایت کی تلاش کے ساتھ عباسی دور میں اس کی منظم تحریک کا مفصل تجزیہ کیا گیا ہے، اس میں ترجمہ نگاری کے اسباب وعوامل بیان کرنے کے ساتھ عباسی دور میں کیے گئے

تراجم کی اقسام، کتنی زبانوں سے کتنے علوم کے ترجمے ہوئے، ان سب کا ریکارڈ، عہدِ عباسی کے مشہور مترجمین اوران کے مشہور تراجم، عہدِ عباسی کے مشہور علمی، تحقیقی و تصنیفی ادارے، اس دور کے اہل علم و تحقیق کے علاوہ عوام کے جذبۂ علمی اور کتب بینی و کتب اندوزی کے عمومی رجحان؛ سب پر امہاتِ کتبِ تاریخ کی روشنی میں نہایت تحقیقی گفتگو کی گئی ہے، اس دور کے تراجم کے چند نمونے بھی پیش کیے گئے ہیں، عہدِ عباسی کے تراجم پر بعض مستشرقین کی جانب سے کیے جانے والے اشکالات کے جوابات بھی دیے گئے ہیں، ساتھ ہی صاحبِ کتاب نے اپنے فہم ومطالعے کی روشنی میں اس دور کے تراجم کی بعض خامیوں کی بھی نشان دہی کی ہے۔

ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی اِس وقت جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی کے شعبۂ عربی میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں، اعلیٰ علمی و تحقیقی ذوق کے حامل ہیں، اب تک عربی، اردو وانگریزی زبانوں میں ان کی پچاس سے زائد کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، چار سال قبل عربی زبان وادب میں نمایاں خدمات کے عوض صدارتی ایوارڈ سے بھی نوازے جاچکے ہیں۔ انھوں نے تقریباً دو دہائی قبل یہ کتاب ایم اے، عربی کے مقالے کے طور پر لکھی تھی، جسے 2005ء میں دارالحرف العربی، بیروت نے شائع کیا اور اہلِ علم و تحقیق کے حلقے میں اسے خاصی پذیرائی حاصل ہوئی تھی۔ اسلامک ونڈرس بیورو، نئی دہلی سے 2011ء میں اس کا انگریزی ترجمہ بھی Glorious Movement of Translation in the Abbaside Dynasty کے نام سے شائع ہوچکا ہے، مترجم فرید بن عبدالعزیز ہیں۔ کتاب کی غیر معمولی علمی، تاریخی و تحقیقی اہمیت کے پیشِ نظر راقم الحروف نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے؛ تاکہ اہلِ اردو بھی مسلمانوں کی علمی تاریخ کے ایک روشن دور سے آگاہی حاصل کرسکیں اور اس کتاب کی افادیت کا دائرہ مزید وسیع ہوجائے۔

کتاب ایک اہم علمی و تحقیقی موضوع پر ہے؛ اس لیے ترجمے میں اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ مصنف کے الفاظ ومراد سے انحراف نہ ہونے پائے، ساتھ ہی ترجمے کے

دوران اردو زبان کے مزاج و مذاق کو بھی پوری طرح ملحوظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بعض دفعہ ترجمے کا ''ترجمہ پن'' کتاب اور قاری کے درمیان حائل ہوجاتا اور مصنف جو بات کہنا چاہتا ہے، وہ کہیں بیچ میں گم ہوجاتی ہے؛ اس لیے میری سعی رہی ہے کہ ترجمہ، ترجمہ ہونے کے باوجود ایسا سلیس، شفاف، معنی خیز اور رواں دواں ہو کہ قاری کو کتاب کے مطالعے کے دوران مصنف کی بات سمجھنے میں کسی قسم کی الجھن سے نہ دوچار ہونا پڑے، مصنف کے افکار و خیالات کی من وعن اور کما حقہ ترسیل کی امکانی کوشش کی گئی ہے، البتہ میری یہ کوشش کہاں تک کامیاب ہے، اس کا فیصلہ باذوق واہلِ نظر قارئین کریں گے۔

اخیر میں اس کتاب کی اشاعت میں معاون تمام کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ دعا گو ہوں کہ اصل کتاب کی طرح اس ترجمے کو بھی قبولیت عطا ہو اور اس کا نفع عام و تام ہو۔ (آمین)

نایاب حسن قاسمی

18/ مارچ 2019

عہدِ عباسی میں ترجمہ نگاری

(تاریخ و تحقیق)

تصنیف: ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی

ترجمہ: نایاب حسن قاسمی

بسم الله الرحمن الرحيم

باب:1

عہدِ جاہلی میں ترجمہ نگاری

ترجمہ نگاری عربوں میں کوئی بعد کو پیدا ہونے والی بدعت نہیں ہے؛ بلکہ وہ زمانۂ قدیم سے اس سے شغف رکھتے تھے، ہمارے پاس اس کی بہت سی دلیلیں ہیں، جن میں سے کچھ کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

1-شخصی تعلقات:

زمانۂ جاہلیت میں بہت سے ایسے اہلِ عرب تھے، جن کے غیر عربوں سے گہرے تعلقات تھے، مثلاً اعشی، جس نے حیرہ، ارضِ نبط اور دیگر عجمی علاقوں کے دورے کیے تھے، یہ اسی کا شعر ہے:

جزى الإله إياسا خير نعمته
كما جزى المرء نوحا بعد ما شابا
في فلكه إذ تبداها ليصنعها
وظل يجمع ألواحا وأبوابا [1]

(اللہ ایاس کو بدلے میں بہترین نعمت عطا فرمائے، جیسا کہ نوح کو بڑھاپے کے بعد عطا کی تھی، جب وہ اپنی کشتی بنانے کے لیے تختے اور لکڑیاں جمع کر رہے تھے)

اسی طرح امرء القیس اول وثانی کی قیصر روم سے ملاقات رہی ہے، امرء القیس ثانی کا شعر ہے:

ونادمت قیصر في ملکه

فأوجهني و رکبت البریدا [2]

(اور میں نے قیصر کو اس کی بادشاہت پر شرم (عار) دلائی، تو اس نے مجھے (دشمن سے مقابلہ کے لیے) بھیجا اور میں گھوڑے پر سوار ہو گیا)

اسی طرح عرب سرداروں کے منذر بن نعمان سے روابط [3] جیسے شواہد سے یہ تو ثابت ہو ہی جاتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ہی کم از کم زبانی ترجمے کی روایت موجود تھی۔

2-تجارتی روابط:

قریش کے ہندستان، چین، فارس، روم، حبشہ، حیرہ اور غسان کی حکومتوں سے تجارتی روابط تھے۔[4] اسی وجہ سے مکہ تجارتی قافلوں کی منزل ہوا کرتا تھا۔[5] قریش کے ان ممالک سے اس قسم کے رابطے پرانے زمانے سے قائم تھے۔[6] قریش کی زبان میں ان ملکوں کی زبانوں کے الفاظ کا پایا جانا اس کی واضح دلیل ہے۔

3-سرکاری وسفارتی تعلقات:

عدی بن زید ہرمز بن نوشیرواں کی طرف سے قیصر (طیباریوس) کے پاس سفیر بنا کر بھیجا گیا تھا، [7] اس کے بعد اس عہدے پر اس کا بیٹا رہا، اسی عہدے پر اس کے دو بھائیوں نے بھی کام کیا، [8] عدی کا والد زید عربی و فارسی دونوں زبانوں سے واقف تھا۔[9] اسی طرح لقیط بن یعمر ایادی کسریٰ کا منشی تھا اور اس کے حکم سے اس نے بہت سارے ترجمے کیے۔[10] اسی طرح سکندر مقدونی کی تاریخی فتوحات نے عالمی سطح پر تہذیبی تبادلے کا ایک نیا دروازہ کھول دیا تھا، ڈاکٹر جواد علی لکھتے ہیں:

> ''سکندر کی فتوحات، جنھوں نے یونان وروم کو ایشیا سے وسیع فاصلے پر پہنچا دیا، یہ صرف سیاسی واقعہ نہیں تھا؛ بلکہ یہ انسانی تاریخ کی ایک علاحدہ فصل تھی، جس میں ہم پڑھتے ہیں کہ روے زمین پر مشرق ومغرب کے دور دراز خطوں میں بسنے والی آبادیاں ایک

دوسرے سے بالمشافہ ملتی ہیں، مغرب مشرق پر تسلط جمانا چاہتا ہے، مختلف تہذیبیں اور ثقافتیں ایک دوسرے سے متاثر ہوتی ہیں، یونان وروم کے علما ان قوموں کے احوال سے براہِ راست آگاہی حاصل کرتے ہیں، جن کے بارے میں وہ تاجروں، مسافروں اور کشتی رانوں کی زبانی سنا کرتے تھے، پھر انھیں جو خبریں ملیں، ان میں ایسے خیالی عناصر شامل تھے، جن میں تعظیم وتفخیم کا پہلو پایا جاتا تھا، تو سکندر کی فتوحات نے مصر اور ہلالِ خصیب کے حوالے سے بعض اوہام کی تصدیق کردی اور ان کی وجہ سے یونان کے اہلِ علم کی ایک جماعت ان خطوں، بہ طور خاص مصر وارد ہوئی، یہاں کے لوگوں سے استفادہ کیا اور اپنے علم سے یہاں والوں کو مستفید کیا، اس طرح خصوصاً اسکندریہ اور دوسرے شامی شہر مشرق ومغربی تہذیبوں کا سنگم اور مشرق ومغرب کے مابین عقلی روابط کا مرکز بن گئے اور ظہورِ اسلام کے وقت تک اسکندریہ ان روایات وخصوصیات اور اپنے مقام ومرتبے کا محافظ رہا''۔[11]

4- مذہب:

ترجمے کی مبارک تحریک کے احیا وفروغ میں مذہب نے بھی عظیم کردار ادا کیا، جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ مکہ تجارتی قافلوں کی قیام گاہ تھا۔[12] اس کی ایک خاص وجہ اس کی مذہبی مرکزیت تھی (حتی کہ تاریخ میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے کہ اہل فارس نے کعبے کی زیارت کی تھی اور اس کے لیے بہت سا ہدیہ بھی پیش کیا تھا)۔[13] اسی طرح بازنطینیوں نے عرب ملکوں میں جو چرچ بنوائے، انھوں نے بھی تہذیبی وثقافتی تبادلے میں اہم کردار ادا کیا۔[14]

ڈاکٹر جواد علی نے صحیح لکھا ہے کہ:

''زمانۂ جاہلیت میں یونانی وآرامی تہذیبی سرمایے کو جزیرۂ عرب کی طرف منتقل کرنے میں مسیحی مبلغین کا اہم کردار تھا''۔[15]

یہ ایک حقیقت ہے کہ توریت زمانۂ جاہلیت میں ہی عربی زبان میں منتقل کی جا چکی تھی۔[16] اسی طرح شعرا نے اپنے اشعار میں بہت سے ایسے الفاظ کا استعمال کیا، جو ان کے مذہب میں مستعمل الفاظ سے مختلف تھے، اس سے بھی تہذیبی ومذہبی لین دین کا پتہ چلتا ہے۔

مثال کے طور عدی بن زید، جو عربی، فارسی، رومی و عبرانی زبانوں کا ماہر تھا اور اس نے تو ریت میں مذکور قصوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا تھا، وہ کہتا ہے:

أعاذل ما يدريک أن منيتی
إلى ساعة في اليوم، أو في ضحى الغد
ذريني، فإني إنما لي ما مضى
أمامي من مالي، إذا خف عودي
كفى زاجرا للمرء أيام دهره
تروح له بالواعظات، وتغتدي [17]

(اے مجھے ملامت کرنے والے تمھیں کیا پتہ کہ میری موت شاید دن کی کسی گھڑی میں آجائے یا کل چاشت کے وقت آجائے۔ مجھے چھوڑ؛ کیوں کہ جب میں مروں گا تو میرے ساتھ میرا وہ مال ہوگا جو میرے سامنے صرف ہوا، انسان کی ڈانٹ ڈپٹ کے لیے زمانے کی گردشیں کافی ہیں، وہ صبح شام اس کے لیے نصیحتوں کا ایک ڈھیر لے کر آتی ہیں)

امیہ بن ابوالصلت کہتا ہے:

كذي الأفعى يربيها لديه
وذي الجني أرسله تساب
فلا رب المنية يأمننها
و لاالجني أصبح يستتاب [18]

(اس سانپ والے کی طرح جو اسے اپنے پاس رکھ کر پالتا تھا یا اس جنات کے مالک کی طرح جسے تساب نے بھیجا تھا، تو نہ موت کا مالک اس سے بچ سکا اور نہ ہی جنات کی بات مانی گئی)

سانپ کا قصہ توریت کی پہلی کتاب میں بھی وارد ہوا ہے۔

اعشی کہتا ہے:

فما أيبلي على هيكل

بناه وصلب فيه وصارا

يراوح من صلوات المليک

طورا سجودا وطورا جؤارا

بأعظم منک تقی في الحساب

إذاالنسمات نفضن الغبارا [19]

(اور نہ عبادت خانے میں اپنی صلیب کے سامنے بیٹھ کر کبھی سر بہ سجدہ ہونے اور کبھی الحاح وزاری کے ساتھ دعا کرنے والا راہب تقویٰ میں آپ سے عظیم ہے جب کہ رات کے وقت ہوائیں غبار اڑا رہی ہوں)

ان اشعار میں مذکور خیالات نصرانی ہیں۔

اسی طرح سموئل کا شعر ہے:

إذاالمرء لم يدنس من اللؤم عرضه

فكل رداء يرتديه جميل [20]

(جب تک انسان کی عزت پر حرف نہ آئے، تو وہ جو چادر بھی اوڑھے، خوب صورت لگتی ہے)

5- طالبینِ علم:

زمانۂ جاہلیت میں لوگ طب وفلسفہ وغیرہ علوم کے حصول کے لیے ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کیا کرتے تھے، مثلاً حارث بن کلدہ اور اس کے بیٹے نے فارس کے شہر جندیسا پور میں تعلیم حاصل کی تھی۔[21] اسی طرح زید نے اپنے بیٹے عدی کو فارسی زبان سیکھنے کے لیے وہاں کے مدارس میں داخل کروایا، جہاں وہ سفیر بھی رہا۔[22] جاننا چاہیے کہ ان مدارس میں تدریس کی زبان عربی نہیں تھی؛ بلکہ فارسی یا سریانی و یونانی زبان میں تعلیم دی جاتی تھی؛ لہٰذا یہ پکی بات ہے کہ انھوں نے باہمی استفادہ وتبادلۂ خیالات کے لیے ترجمے یا ترجمانی کو واسطہ بنایا ہوگا۔[23] اس سلسلے میں ڈاکٹر جواد علی کہتے ہیں:

''ان میں سے بعضوں نے فارس، عراق اور شامی ملکوں میں تعلیم حاصل کی اور ان ملکوں میں تدریسی زبان یا تو سریانی تھی یا یونانی و فارسی؛ لہذا اس میں بھی کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے حجاز و یمن میں ان زبانوں کی تعلیم دی ہو''۔ [24]

6-عربی زبان میں غیر عربی الفاظ کا پایا جانا:

مزید وضاحت کے لیے بعض ان اجنبی (غیر عربی) الفاظ کا ذکر مناسب ہے، جو جاہلی دور میں عربی زبان میں رائج تھے؛ تاکہ اس طرح ہمارا ادعویٰ مضبوطی سے ثابت ہو جائے۔ امرء القیس کہتا ہے:

أتت حجج بعدي عليها فأصبحت

كخط زبور في مصاحف رهبان [25]

(میرے بعد اس پر کئی سال گذر گئے جس کی وجہ سے وہ راہبوں کے صحیفوں میں دھندلی سی تحریر جیسی ہوگئی)

اس شعر میں ''زبور'' عبرانی زبان کا لفظ ہے۔

اسی کا ایک شعر یہ بھی ہے:

مهفهفة كالغصن بيضاء غير مفاضة

ترائبها مصقولة كالسجنجل [26]

(وہ نازک اندام، گوری اور سڈول جسم والی ہے، اس کا سینہ آئینے کی طرح شفاف ہے)

اس شعر میں لفظ ''سجنجل'' رومی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی آئینہ ہیں۔

نابغہ ذبیانی کا شعر ہے:

مجلتهم ذات الإله ودينهم

قويم فما يرجون غير العواقب [27]

(ان کے پاس مذہبی کتاب (انجیل) ہے اور ان کا مذہب مضبود بنیادوں پر قائم ہے؛ لہذا وہ

صرف آخرت کی فکر میں رہتے ہیں)

اس شعر میں ''مجلہ'' عبرانی زبان کا لفظ ہے۔اسی طرح ''آس''، ''حندقوق''، ''ریحان''، ''شالم''، ''یتوع''، ''خربز''، ''اسفنط''، ''نرجس''، ''تابوت''، ''جز''، ''بطیش''، ''طباہج''، ''جلاب''، ''برکان''، ''طیلسان''، ''موبذ''، ''درہم''، ''فلوس''، ''قنطار'' اور بے شمار ایسے الفاظ عربی زبان میں مستعمل ہیں، جو درحقیقت عربی کے نہیں ہیں، اس قسم کے الفاظ کی تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے لیے ''المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام'' کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔[28]

حواشی:

1- المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ج:6،ص:669

2- ایضا، ج:2،ص:653-656

3- المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ج:4،ص:19

4- تاریخ الجاہلیۃ، ص:113

5- تاریخ الجاہلیۃ، ص:113

6- المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ج:4،ص:19-20

7- ایضا، ج:6،ص:363

8- تاریخ الیعقوبی، ص:212

9- تیارات ثقافیۃ بین العرب والفرس، ص:23

10- ایضاً

11- المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ج:2،ص:11-12، سکندر کی فتوحات اور حملوں کی تفصیل اس کتاب کے صفحہ نمبر 5 / سے 20 / تک دیکھی جاسکتی ہے۔

12- ایضا، ص:8

13- مروج الذہب ومعادن الجوہر، ج:1،ص:265

14- المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ج:1،ص:628

15- ایضا، ج:8،ص:702

16- ایضا، ج:1،ص:414

17- جمہرۃ اشعار العرب،ص:179

18- امیۃ بن ابی الصلت: حیاتہ وشعرہ،ص:160

19- دیوان الاعشی الکبیر،ص:80

20- دیوان حماسہ، ج:1،ص:28

21- تاریخ العلوم عند العرب،ص:111

22- المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ج:8،ص:336

23- تاریخ العلوم عند العرب،ص:111

24- المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ج:8،ص:336

25- شرح دیوان امرؤ القیس،ص:125

26- ایضا،ص:30

27- النابغۃ الذبیانی،ص:184

28- المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام ج:2،ص:694-732

باب:2

آغازِ اسلام میں ترجمہ کی تحریک

اوائلِ اسلام میں ہمیں ترجمہ اور اس کی منظم تحریک کی متعدد دلیلیں ملتی ہیں، جن کا بالاختصار ذکر کیا جاتا ہے:

1- نجاشی، مسلم مہاجرین اور قریشی وفد (جو ان مہاجرین کو واپس لانے گیا تھا) کے مابین جو بات چیت ہوئی، وہ مقامی ترجمان کے واسطے سے ہوئی۔[1]

2- مسلمان اہلِ کتاب سے استفادہ کیا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ: ''اہل کتاب توریت کو عبرانی زبان میں پڑھا کرتے اور مسلمانوں کے لیے اس کی تشریح عربی زبان میں کیا کرتے تھے''۔[2]

3- مکہ اور مدینہ یہودیوں، حبشیوں، اہلِ فارس اور بازنطینیوں کے تجارتی مراکز تھے اور وہ سب وہاں اپنی اپنی زبانیں بولا کرتے تھے، صحابہؓ نے ان سے ان کی زبانوں کا علم حاصل کیا، جیسے کہ زید بن ثابتؓ فارسی، رومی (یونانی) قبطی اور عبرانی زبانیں جانتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ان لوگوں کی ترجمانی کیا کرتے تھے؛ کیوں کہ انھوں نے یہ زبانیں اہلِ زبان حضرات سے سیکھی تھیں۔[3]

4- عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سریانی زبان کا علم رکھتے تھے اور توریت کے سریانی ترجمے سے استفادہ کرتے تھے، وہ ایک دن قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور ایک دن توریت پڑھا کرتے تھے۔[4]

5- نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ یہود کی زبان اور

عبرانی زبان سیکھیں۔[5] جیسا کہ انھوں نے خود روایت کیا ہے کہ: ''نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں کچھ لوگوں (یہودیوں) سے مراسلت کرتا ہوں، مجھے ڈر ہے کہ وہ میری باتوں میں کوئی کمی بیشی نہ کردیں؛ لہذا تم سریانی زبان سیکھ لو؛ چنانچہ میں نے سترہ دنوں میں سریانی زبان سیکھی''۔[6]

6-مسلمان باضابطہ دوسری زبانیں سیکھتے تھے۔[7]

7-جب خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن خطابؓ کی خدمت میں ایک عجمی سردار ہرمزان حاضر ہوا، تو اس کے اور حضرت عمرؓ کے درمیان ترجمان کا فریضہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے انجام دیا تھا اور ہرمزان کے تمام سوالوں کا جواب انھوں نے فارسی زبان میں دیا تھا۔[8]

8-خود حضرت عمر بن خطابؓ گزشتہ آسمانی کتابوں سے معلومات اور سردارانِ عجم کی سیرت وسوانح جمع کیا کرتے تھے، جیسا کہ ان کے حوالے سے مروی ہے کہ:

> ''فارس کے چند آدمیوں کو صحبت خاص میں رکھتے تھے، یہ لوگ ان کو بادشاہوں کے آئین حکومت پڑھ کر سنایا کرتے تھے، خصوصاً شاہانِ عجم اور ان میں سے خاص کر نوشیرواں کے؛ اس لیے کہ ان کو نوشیرواں کے آئین بہت پسند تھے اور ان کی بہت پیروی کرتے تھے''۔[9]

9-جب حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر فتح کیا، تو وہاں ایک یونانی فلسفی پایا جاتا تھا، حضرت عمرو نے اس سے ملاقات کی اور فلسفہ سے متعلق بہت سی معلومات حاصل کیں، ابن القفطی نے یہ واقعہ اس طرح ذکر کیا ہے:

> ''وہ شخص حضرت عمروؓ کی خدمت میں پہنچا، تو انھوں نے اس کے علم وعقیدہ کے بارے میں معلومات حاصل کیں، اس نے اپنے اور نصرانیوں کے مابین اختلاف کے بارے میں بتایا، حضرت عمرو نے اس کا اکرام کیا اور اسے عزت دی، عقیدۂ تشلیث کے ابطال میں اس کے دلائل سنے، جو انھیں اچھے لگے، اسی طرح دنیا کے خاتمے پر بھی اس کی گفتگو سنی، جو انھیں بہت عمدہ لگی، اس کی منطقی دلیلوں کا مشاہدہ کیا اور اس کی زبانی ایسی فلسفیانہ باتیں سنیں، جن سے اہلِ عرب مانوس نہیں تھے۔ حضرت عمروؓ چوں کہ خود

صاحبِ عقل و دانش، ایک بہترین سامع اور صحیح الفکر انسان تھے؛ اس لیے اسے اپنے پاس رکھ لیا، وہ ایسے قابل شخص کو اپنے سے الگ نہیں کرنا چاہتے تھے"۔[10]

10۔صاحبِ فتوح البلدان نے لکھا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد فارسی زبان جانتی تھی۔[11]

حواشی:

1-الدوائر المتداخلہ،ص:35

2-الفاروق،ص:498

3-عہد نبوی کا نظامِ تعلیم،ص:32

4-خطباتِ بہاولپور،ص:309

5 -الترجمة العربية في الهند قبل الاستقلال،ص:36،الاسلام والمستشر قون،ص:5

6-المسلمون والعلم الحدیث،ص:31

7-ایضا،ص:36

8-الاسلام والمستشر قون،ص:6

9-الفاروق،ص:312

10۔ماہنامہ برہان،ج:72،شمارہ:6،ص:26

11-الاسلام والمستشر قون،ص:6

باب:3

عہدِ اموی میں ترجمہ نگاری کی تحریک

ترجمہ نگاری کے سلسلے میں عہدِ اموی، عہدِ اسلام کے ابتدائی دنوں سے کسی طرح پیچھے نہیں رہا؛ بلکہ اس سے آگے ہی بڑھا اور اس دور میں ترجمے کے باب میں مزید اقدامات کیے گئے؛ چنانچہ حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ کا ایک کلکٹر تھا، جس کا نام ابن اثال تھا، یہ شخص مشہور طبیب تھا، اس نے حضرت معاویہ کی ہدایت پر طب کی کئی کتابوں کا یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا۔[1] اسی طرح حضرت معاویہؓ کو قدیم بادشاہوں کی سوانح اور ان کے حالاتِ زندگی جاننے سے خاصی دلچسپی تھی؛ چنانچہ انھوں نے ایسے متعدد مترجمین مقرر کر رکھے تھے، جو انھیں ان بادشاہوں کے احوالِ زندگی مختلف زبانوں سے عربی میں ترجمہ کرکے سناتے تھے۔[2]

مروان بن الحکم کا طبیب ایک یہودی ماسرجویہ بصری تھا، اس نے مروان کی ہدایت پر اہرن کی کتاب ''کناش'' (قرابادین) کا سریانی سے عربی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔[3] بعد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کتاب کی عام اشاعت کا سامان کیا؛ تاکہ اس کی افادیت عام و تام ہو۔

اسی طرح خالد بن یزید بن معاویہ نے صنعت و طب اور علم نجوم پر متعدد کتابوں کا ترجمہ کروایا۔[4] مریانوس راہب نے اس کی ہدایت پر منطق، صنعت اور دیگر علوم و فنون کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا۔[5] فلسفے کی کتاب ''اورغانون'' کا ترجمہ اسی کے عہد میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔[6] اسی طرح عمر بن عبدالعزیز نے اہرن بن اعین کے رسائل کا ترجمہ

کروایا۔[7] عہدِ اموی میں انجام پانے والے ترجمے کے کاموں میں سب سے نمایاں دواوین (سیاست وحکمرانی کے اصول) کا فارسی سے عربی ترجمہ ہے، جس کی تکمیل حجاج بن یوسف کے زمانے میں ہوئی۔[8]

تاریخ میں یہ بھی مذکور ہے کہ ہشام بن عبدالملک کے حکم سے ساسانیوں کی تاریخ اوران کے نظامِ سیاست کا ترجمہ کیا گیا تھا۔[9] یہ بھی منقول ہے کہ اس کا ایک سالم نامی غلام تھا، جس نے اس کی ہدایت پر سکندر کے نام ارسطو کے خطوط کا عربی میں ترجمہ کیا تھا۔[10] خود اس کا بیٹا فارسی زبان کا ماہر تھا اور اس نے متعدد کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا۔[11] اسی طرح ہشام نے اپنی زیرِ نگرانی واہتمام عجمی بادشاہوں کی مفصل سوانحِ حیات مرتب کروائی تھی، جس کی تالیف 113ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی تھی۔[12]

حواشی:

1- مقالاتِ شبلی، ج:6،ص:4
2- ترجمات الکتب الطبیۃ والفلسفیۃ فی عصر المامون،ص:120
3- ایضا،ص:123
4- العصر العباسی الاول،ص:109
5- دراسات فی تاریخ العلوم عند العرب،ص:16
6- من الفسلفۃ الیونانیۃ الی الفسلفۃ الاسلامیۃ،ص:292
7- العصر العباسی الاول،ص:109
8- الفہرست،ص:567
9- العصر العباسی الاول،ص:109
10- مقالات شبلی، ج:6،ص:7-8
11- ایضا
12- ایضا

باب:4

عہدِ عباسی میں ترجمہ نگاری

جیسا کہ ماقبل میں ذکر کیا گیا ترجمے کا سلسلہ عہدِ جاہلیت میں ہی شروع ہوگیا تھا، البتہ اس زمانے میں زیادہ تر مذہبی کتابوں کے ترجمے کیے گئے، اس اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ترجمے کی وہ تحریک بہت حد تک مذہب اور مذہبی تعلیمات کی اشاعت وتبلیغ کے ساتھ خاص تھی، پھر عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی زیادہ تر تراجم مذہبی کتابوں کے ہی سامنے آئے، البتہ خلافتِ راشدہ اور عہدِ اموی پہلے دونوں ادوار سے یکسر مختلف تھے؛ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت عمرو بن العاصؓ نے ایک یونانی فلسفی سے علم حاصل کیا اور عہدِ اموی میں حضرت معاویہ، خالد بن یزید اور ہشام بن عبد الملک وغیرہ نے اپنے خاص ذوق یا انفرادی ضرورتوں کے تحت بہت سی قیمتی کتابوں کا ترجمہ کروایا۔ معلوم ہوا کہ عصرِ جاہلی اور عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مذہب و مذہبی تعلیمات کی اشاعت وتبلیغ کے مقصد سے اسی قسم کی کتابوں کے ترجمے کا دور تھا۔[1] البتہ عہد خلافتِ راشدہ وعہد اموی ترجمے کی بعض مختلف انفرادی کوششوں کی وجہ سے پہلے دونوں ادوار سے ممتاز ہیں۔[2] اس عہد میں بھی ترجمے پر باضابطہ حکومت نے کوئی توجہ نہیں دی، البتہ ''دواوین'' (حکمرانی کے اصول وضوابط) کا ترجمہ اس سے مستثنیٰ ہے، یہ حکومت کی سرپرستی میں انجام دیا گیا۔

عہدِ عباسی میں ترجمے کی باقاعدہ ایک عظیم تحریک شروع ہوئی، اس میں خود خلفا اور

حکمرانوں نے دلچسپی لی اور عوام بھی ان کا ساتھ دینے میں پیچھے نہیں رہے، یہ زمانہ ترجمہ نگاری کی اجتماعی کوششوں کا زمانہ ہے۔ عہدِ اموی میں جو ترجمے ہوئے تھے، وہ بھی محض عملی شعبوں مثلاً صناعت و کاری گری، طب اور علم نجوم سے تعلق رکھتے تھے۔[3] مگر عہدِ عباسی میں ترجمے کا دائرہ علومِ عقلیہ مثلاً منطق و فلسفہ، جیومٹری، حتیٰ کہ خرافات تک پہنچ گیا۔[4]

چوں کہ ہماری گفتگو کا اصل موضوع عہدِ عباسی میں ترجمے کی تحریک ہے؛ اس لیے ہم عہدِ اموی پر مزید بحث نہیں کریں گے، عہدِ عباسی کی ترجمہ نگاری پر تفصیلی بحث کریں گے۔ سب سے پہلے مختلف خصوصیات کے پیشِ نظر ہم عہدِ عباسی کو تین قسموں میں منقسم کرتے ہیں:

1- پہلا دور: اس کا آغاز ابو العباس السفاح (بانی خلافت بنو عباس) سے شروع ہو کر امین (754-813ء) کی حکومت کے اختتام کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔

2۔ دوسرا دور: مامون کی حکومت سے شروع ہو کر مقتدر (813-908ء) کی حکومت کے خاتمے پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

3۔ تیسرا دور: قاہر کی خلافت سے شروع ہوتا اور عصرِ عباسی کے تمام ہونے کے ساتھ مکمل ہو جاتا ہے۔ (908-1258ء)[5]

پہلا دور:

یہ دور علمی کتابوں کے ترجموں کے حوالے سے ممتاز ہے، اس دور میں طب، فلکیات اور علم ریاضی کی کتابوں کے ترجمے ہوئے۔[6] تاریخ میں مذکور ہے کہ عہدِ عباسی میں سب سے پہلے طبی علوم اور کتابوں کے ترجمے پر توجہ دی گئی، اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ خلیفہ منصور پیٹ کا مریض تھا؛ اسی وجہ سے وہ طبی امور میں دلچسپی لیتا تھا اور اپنے علاج کے لیے ماہر ڈاکٹروں کی تلاش میں رہتا تھا۔[7] حتیٰ کہ اس نے اپنے علاج کے لیے جرجیس بن بختیشوع کو بلایا تھا؛ چنانچہ وہ آیا، ایک عرصے تک بغداد میں مقیم رہا اور منصور کا علاج کیا، اس کے بعد اپنے ملک واپس چلا گیا، اس کی موت اپنے ملک میں ہی ہوئی۔[8] البتہ اس کی وفات کے بعد بھی

بختیشوع کے اہلِ خانہ کا عباسی خلفا سے رابطہ قائم رہا؛ چنانچہ بختیشوع دوم بن جبریل نے خلیفہ مہدی کا علاج کیا۔ یہ نسطوری خانوادہ علمِ طب میں غیر معمولی مہارت و براعت کا حامل تھا، اس کا سربراہ جبریل طبِ یونانی سے غیر معمولی شغف رکھتا تھا اور اس نے جالینوس و بقراط کی متعدد طبی کتابوں کے ترجمے بھی کیے۔[9]

خلیفہ منصور (95-158ھ/714-775ء) کے زمانے میں حکومت نے علمِ فلکیات و نجوم کی کتابوں کے ترجمے پر توجہ دینا شروع کیا، خلیفہ نے بازنطینی حکمراں سے استدعا کی کہ اس کے پاس یونانی زبان کی کتابوں اور مخطوطات کا جو ذخیرہ ہے، وہ بھیجا جائے؛ چنانچہ اس نے بھیج دیا۔[10] یہ روایت بھی ہے کہ 771ء میں دربارِ خلافت میں مغربی ہند کے علاقۂ سندھ سے ایک وفد پہنچا تھا، جس میں ایک شخص ''کنکہ'' نامی تھا، وہ ریاضیات اور فلکیات کا ماہر تھا، اس کے پاس ''سوریہ سدھانت'' نامی ایک کتاب تھی، منصور نے پہلے اس کی تلخیص کروائی، پھر عربی زبان میں اس کے ترجمے کا حکم دیا۔[11] یہ کام ابراہیم بن حبیب فزاری کے سپرد کیا گیا، جو ہندی رہندستانی زبان میں مہارت رکھتا تھا، یہ ترجمہ ''سند ہند'' کے نام سے مشہور ہوا، اس کے علاوہ انھوں نے اس سندھی شخص سے دوسری کتاب ''ارکند'' اور تیسری کتاب ''ارجبہر'' بھی حاصل کی۔ وہ پہلا عربی شخص تھا، جس نے اسطرلاب بنایا، اسی کے زمانے میں عبداللہ بن المقفع نے ''کلیلہ ودمنہ'' کو قدیم فارسی سے عربی زبان میں منتقل کیا۔ دربارِ منصور کے دیگر مترجمین میں ایک ابن بطریق بھی تھا، جس نے اس کی ہدایت پر جالینوس و بقراط کی کتابوں کا ترجمہ کیا، اس کے عہد میں فرقۂ مانویہ کی مذہبی کتابوں کا بھی ترجمہ کیا گیا۔[12] اسی طرح اس دور میں مجوسی مذہب کی کتابوں کا بھی عربی زبان میں ترجمہ ہوا، جس کی وجہ سے معاشرے میں الحاد پھیلنے کی راہیں ہموار ہو گئیں۔[13]

منصور کے بعد اس کے بیٹے مہدی (127-169ھ/745-785ء) کا دور آتا ہے، اس نے سب سے پہلے مانوی و مجوسی کتابوں کے ترجموں سے پھیلنے والے الحاد کا توڑ پیدا کرنے کی کوشش کی اور علماے وقت کو اس کام پر لگایا، اسی پس منظر میں علمِ کلام کا وجود ہوا۔[14] حالاں

کہ طب وریاضیات کے ترجمے کے سلسلے میں اس نے اپنے باپ کی راہ اپنائی؛ چنانچہ اس نے جندیساپور کے اطبا سے اپنے تعلقات مضبوط کیے اوران کے ذریعے طب اورریاضیات کی مختلف اہم کتابوں کا ترجمہ کروایا۔[15]

اس کے بعد زمامِ خلافت ہارون رشید(149-193ھ/766-809ء) کے سپرد ہوئی، جو یونانی علوم کا شیدائی تھا؛ چنانچہ اس نے صرف اس مقصد سے پورے یونان میں اپنے نمایندے بھیجے کہ وہ جائیں اوروہاں موجود علمی مخطوطات (خصوصاً طب سے متعلق) خرید کرلائیں، اس مہم پراس نے بے پناہ مال ودولت خرچ کیا۔ اسی کے زمانے میں عہدِ عباسی کے ماہر ومشہور طبیب یوحنا بن ماسویہ نے قدیم طبی کتابوں کا ترجمہ کیا۔[16] اسی عہد میں ارسطو کی منطق کی کتاب کا ترجمہ کیا گیا، اقلیدس کا ترجمہ حجاج بن یوسف بن مطر کے ذریعے انجام پایا اوراس کے ترجمے کو''ہارونیہ'' کا عنوان دیا گیا؛ تاکہ یہ''ترجمۂ مامونیہ'' سے ممتاز ہوجائے، اسی طرح یحی برمکی کی نگرانی میں بطلیموس کی کتاب ''المجسطی'' کا ترجمہ کیا گیا۔[17] کہا جاتا ہے کہ جب عموریہ اورانقرہ کے خطے فتح کیے گئے، توہارون رشید نے مفتوحہ علاقوں سے علماومترجمین کی ایک جماعت منتخب کی اوراسے اپنے حاشیہ نشینوں میں شامل کرلیا اور ہدایت دی کہ طب، فلسفہ، فلکیات وغیرہ کے موضوع پراہم کتابوں کا انتخاب کرکے ان کا ترجمہ کرے۔[18] ہارون رشید جب بھی روم کے کسی شہر کو فتح کرتا، تو وہاں سے لوٹتے ہوئے اس شہر میں موجود کتب خانے سے یونانی علوم و فلسفے پر مشتمل تمام قیمتی کتابیں اپنے ساتھ اکٹھا کر کے لے جاتا تھا۔[19] اس نے اپنے طبیبِ خاص منکہ ہندی کو ہندستانی سے عربی زبان میں ترجمے کی ذمے داری سونپ رکھی تھی؛ چنانچہ اس نے اس کے لیے ہندستانی طریقہ ہاے علاج پر مشتمل متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا، اس ترجمے میں اس کے ساتھ ابن دہن نامی شخص بھی شریک رہا، یہ برامکہ کے بیمارستانوں (ہسپتالوں) کی نگرانی کرتا تھا۔[20] محمد بن ابراہیم فزاری نے''سدھانت'' کا عربی ترجمہ کیا، ابن بطریق نے عمر بن فرخان کے ذریعے لکھی گئی بطلیموس کی کتابوں کی چاروں شروح کا عربی زبان میں ترجمہ کیا۔[21] یہ عہد کئی اعتبار

سے ممتاز ہے، مثلاً:

1-اس عہد کے خلفا نے علمِ فلکیات پر خصوصی توجہ دی اور اس کی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ یہ سمجھنے لگے تھے کہ حکومت کی بقا و اختتام کے راز ہائے سربستہ ستاروں کی گردش میں مخفی ہیں اور اسی وجہ سے ستاروں کی چالوں کو سمجھنے کے لئے اس عہد میں متعدد الگ الگ ہیئت اور وضع کے اسطرلاب بنائے گئے۔ [22]

2-اس عہد میں علما و ادبا اتنی زیادہ تعداد میں پائے گئے کہ اس وقت دنیا کے اور کسی ملک میں اتنے زیادہ علما و ادبا نہیں پائے جاتے تھے۔ [23]

3-ہارون رشید سے پہلے علما نے تحقیق و ترجمے کا جو کام شروع کیا تھا، وہ اس کے عہد میں پایۂ تکمیل کو پہنچا، گویا علم و تحقیق کی جو تخم ریزی اس کے پہلے کے خلفا نے کی تھی، وہ ہارون رشید کے عہد میں ثمر بار ہوئی۔ [24]

4-علومِ اسلامی کے متعدد شعبے مثلاً علم تجوید و قرائت، نحو، لسانیات کی تدوین اسی عہد میں ہوئی۔ [25]

5-ہارون رشید کے عہد میں جس بڑی تعداد میں وزرا علوم و فنون سے اشتغال رکھتے تھے، اتنی بڑی تعداد میں کسی اور عہد کے وزرا علم و تحقیق سے وابستہ نہیں رہے۔ [26]

دربارِ ہارون رشید کے سرکردہ مترجمین میں سے ایک یوحنا ماسویہ تھا، یہ حنین کا استاذ تھا، جس نے ہارون رشید کی ہدایت پر طبی مخطوطات کا ترجمہ کیا تھا، اس مترجم کی خدمات ہارون رشید کے بعد کے خلفا کے دور میں بھی جاری رہیں۔ [27]

دوسرا دور:

اس دور میں ریاضی، فلسفہ اور منطق کی کتابوں کے ترجمے کے ساتھ تالیف و تحشیہ اور تلخیص کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ اس دور کے خلفا میں سب سے زیادہ قابلِ ذکر مامون رشید (۱۷۰ھ-۲۱۸ھ/ ۷۸۶ء-۸۳۳ء) ہے، جو فکری طور پر اعتزال کی طرف مائل تھا،

عقل کو حاکم ماننے اور آزادیِ رائے کی تائید کرتا تھا۔[28] اس نے اپنی خلافت کے زمانے میں خلیفہ منصور کے ذریعے شروع کردہ کاموں کی تکمیل کی اور ارسطو وغیرہ کی تمام کتبِ فلسفہ کا ترجمہ کروایا، اس نے معتزلہ کو ان کتابوں کے پڑھنے کی ترغیب دی، جس کے نتیجے میں اور نصاریٰ کے فلسفہ سے اشتغال کی وجہ سے افلاطونی فلسفے کا ظہور ہوا۔[29]

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب مامون نے 820ء میں روم کو فتح کیا، تو اس نے رومی بادشاہ تیوفیل سے کہا کہ جزیہ کے بدلے ارسطو، بقراط، جالینوس، اقلیدس اور بدلیموس وغیرہ کی جتنی کتابیں روم کے مختلف مقامات میں پائی جاتی ہیں، اسے دے دی جائیں، تو صلح کر لی جائے گی، شاہِ روم کو یہ سودا نفع بخش معلوم ہوا اور اس نے تمام کتابیں مامون کو بھجوا دیں، مامون کو جب وہ کتابیں ملیں، تو اسے ایسا لگا گویا کوئی بڑی نعمت ہاتھ آ گئی ہو۔[30] حجاج بن یوسف بن مطر کی سربراہی میں اس نے ایک وفد روم بھیجا، جس نے فلسفے کی نہایت قیمتی اور عمدہ کتابیں حاصل کیں، یہ وہ کتابیں تھیں، جن پر عیسائی مذہب میں پابندی لگادی گئی تھی اور اسی وجہ سے ان کتابوں کو غاروں میں چھپا کر رکھا گیا تھا۔ جب وہ لوگ کتابیں لے کر دربارِ خلافت میں پہنچے، تو مامون نے فوراً ان کے ترجمے کا حکم دیا۔[31]

اسی طرح اس نے صرف کتابوں کے حصول کے لیے آرمینیا، مصر، شام، قبرص اور ہندستان تک اپنے وفود بھیجے۔ اس کے معاصر بادشاہوں کو اس کے علمی ذوق کا پتا تھا؛ چنانچہ وہ لوگ ہدیے میں مامون کو کتابیں بھیجا کرتے تھے۔[32] حتی کہ اس وقت کے ہندستانی بادشاہ نے بہ طور ہدیہ اسے ایک ایسا غلام بھیجا تھا، جو ایک سے زائد زبانوں کا علم رکھتا تھا، اس کا نام دوبان تھا، اس بادشاہ نے مامون کو لکھا: ''میں آپ کی خدمت میں ایسا ہدیہ بھیج رہا ہوں، جس سے زیادہ مفید اور مشہور کوئی اور ہدیہ نہیں ہوسکتا''۔[33]

علم و کتاب اور ترجمے کے سلسلے میں مامون کے اس درجہ اہتمام کی وجہ سے یہ دور کئی اعتبار سے ہارون رشید کے دور سے ممتاز تھا، مثلاً:

1- ہارون رشید نے یونانی کتابوں کے ترجمے کا اہتمام کیا اور اس کے لیے باقاعدہ

ایک ادارہ ''بیت الحکمت'' کے نام سے قائم کیا؛ لیکن اس کے دور کے تراجم انقرہ و عموریہ کی کتابوں تک محدود تھے، مامون نے شاہِ روم سے کتابیں منگوائیں اوران کے ترجمے پر باقاعدہ مشہور مترجمین کو مقرر کیا۔ [34]

2- عہدِ ہارونی میں جو ترجمے ہوئے، ان میں سے بعض معیار کے اعتبار سے پست تھے، مامون نے ان تراجم کی اصلاح کے لیے باقاعدہ ایک آدمی حنین بن اسحاق کو مقرر کیا اوراسے پورے ادارۂ ترجمہ کا ذمے دار بنایا گیا۔ [35]

3- عہدِ عباسی میں بہت سے ترجمہ نگار ابھر کر سامنے آئے، مگر ان میں سے زیادہ تر کا ظہوراوران کی شہرت عہدِ مامونی میں ہوئی۔ صاحبِ طبقات الحکماء لکھتے ہیں:

> ''اسلامی تاریخ میں ماہر ترجمہ نگار چار ہوئے ہیں: حنین بن اسحاق، یعقوب بن اسحاق کندی، ثابت بن قرہ حرانی اور عمر بن فرخان طبری''۔ [36]

ان میں سے تین: حنین، یعقوب اور عمر کا تعلق عہدِ مامونی سے ہے۔

4- ترجمے کی تحریک تو مامون سے بہت پہلے شروع ہو چکی تھی؛ لیکن اس میں تاب و توانائی مامون کے دور میں آئی، کہ اس دور میں ترجمے کے مسودے کو سونے میں تول کر مترجم کو محنتانہ دیا جاتا تھا۔ حنین کے حوالے سے منقول ہے کہ وہ موٹے کاغذ پر بڑے بڑے حروف میں ترجمہ کیا کرتا تھا؛ تاکہ زیادہ سے زیادہ اجرت مل سکے۔ [37]

5- ہارون کے زمانے میں جن کتابوں کا ترجمہ ہوا، ان میں سے زیادہ تر ہیئت، منطق اوراخلاقیات سے متعلق تھیں، ان میں فلسفے کی کتابیں شاذ و نادر تھیں؛ لیکن جب مامون کا دور آیا، تو اس نے فلسفے پر خاص توجہ دی، اسحاق اور یوحنا دو ایسے مترجم تھے، جن کا کام صرف ارسطو کی کتبِ فلسفہ کا ترجمہ کرنا تھا۔ [38] اسی وجہ سے اس کے زمانے میں فلسفے کے درس و تدریس کا سلسلہ بھی عام ہو گیا تھا۔ [39]

6- مامون نے اپنے دور میں علمِ ہیئت کی کتابوں کے ترجمے کا بھی اہتمام کیا اوراس دور کے علما نے اس شعبے میں بڑے کارنامے انجام دیے۔ [40]

7-علمِ کلام کی تدوین بھی مامون ہی کے دور میں ہوئی۔علامہ شہرستانی لکھتے ہیں:

''پھراس کے بعدعہدِ مامونی کے اواخر میں جب معتزلہ کے علماوشیوخ نے فلاسفہ کی کتابیں پڑھیں،توان میں مذکور بہت سے افکارومناہج کا کلامی افکارومناہج سے اختلاط ہونے لگا؛چنانچہ انھوں نے اسے علمِ کلام کے نام سے ایک مستقل فن قراردے دیا''۔[41]

8-اسی کے دور میں علمِ ریاضی کی منظم ومستحکم تدریس وتحقیق کا سلسلہ شروع ہوا۔[42]

پھرواثق باللہ(200-232ھ/816-847ء)کے عہد میں تومترجمین فلاسفہ کی ایک بڑی تعداد پیدا ہوگئی تھی۔[43] اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ شخص جدت پسند تھااورتقلید کے خلاف تھا۔مشہورمؤرخ مسعودی اس کے بارے میں رقم طراز ہے:

''واثق غوروتدبرکوپسندکرتاتھا،وہ تقلیدِ محض کا قائل نہیں تھا،وہ متقدمین ومتاخرین فلاسفہ واطبا کے علوم وافکار سے آگاہی کا خواہاں تھا؛چنانچہ اس کے دور میں علمِ طبیعیات والہیات کے مختلف نئے شعبے وجودپذیر ہوئے''۔[44]

پھرمتوکل(205 -247ھ/822-861ء)کے دور میں حنین بن اسحاق کے زیرنگرانی متعدد کتابوں کا ترجمہ ہوا۔[45] مستعین باللہ(220 -252ھ/836-866ء)کے عہد میں اس کے حکم سے قسطابن لوقابعلبکی کویونانی کتابوں کے ترجمے کے لیے بلایاگیا۔[46] مقتدر باللہ(282 -320ھ/895-932ء)نے عرب ڈاکٹروں کاایک وفدہندوستان بھیجا تھا؛تاکہ وہ لوگوں کی بیماریوں میں کام آنے والی جڑی بوٹیوں کاعلم حاصل کرکے آئیں۔[47] اس نے قسطابن لوقا کوخوب انعام واکرام سے نوازا،جویونانی،سریانی اورعربی زبانوں کا ماہرتھااوراس نے تصحیح واصلاح کے ساتھ متعددکتابوں کے ترجمے بھی کیے تھے۔[48]

تیسرادور:

اس دور میں فلسفے کی کتابوں کے ترجمے پرتوجہ کم ہوگئی اورادبی کتابوں کے ترجمے زیادہ کیے گئے۔خصوصاًفارسی ادب کاترجمہ زیادہ ہوا،اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دور میں بہت سے

ایسے قبائلی اور زنادقہ قسم کے لوگ پیدا ہو گئے تھے، جو اپنے آباواجداد کے مجد وشرف کی اشاعت کرنا چاہتے تھے، جس پر اسلام نے اپنی آمد کے بعد خطِ نسخ پھیر دیا تھا؛ چنانچہ ان لوگوں نے شاہانِ فارس کی تاریخ، آئین نامہ اور کتابِ مزدک وغیرہ کو عربی زبان میں منتقل کیا۔[49] اس دور کے نمایاں مترجمین میں متی بن یونس، سنان بن ثابت بن قرہ، یحی بن عدی اور ابن زرعہ شامل ہیں۔ اس عہد میں ارسطو کی منطق وطبیعیات کی کتابوں کا ترجمہ وتشریح بھی عمل میں آئی۔[50]

حقیقت یہ ہے کہ جب ترجمے کا یہ دور اپنی انتہا کو پہنچنے لگا، تو اس وقت فلسفہ، طب، فلکیات، ریاضی اور دیگر معروف موضوعات کی علمی کتابیں عربی زبان میں منتقل ہو چکی تھیں، اہلِ عرب ترجمے کے عمل سے فارغ ہو کر تصنیف وتالیف اور نئے علوم وفنون کی ایجاد میں مشغول ہو چکے تھے۔[51] یہ سب عربوں نے اس دور میں کیا، جب یورپ ابھی فلسفہ اور یونانی علوم سے نا آشنائے محض تھا، پھر جب 1258ء میں ہلاکو کے ہاتھوں سقوطِ بغداد کا سانحہ رونما ہوا، تو عربوں کی علمی ترقی زوال کی شکار ہوگئی اور فکری وعلمی سطح پر ترقیِ معکوس کا دور شروع ہو گیا، حتی کہ وہ تمام علوعربی زبان سے لاطینی اور دیگر مغربی زبانوں میں منتقل ہو گئے، جنھیں ہم استشراق کے نام سے جانتے ہیں۔[52]

حواشی:

1- تاریخ العلوم عند العرب، ص:111

2- ضحیٰ الاسلام، ج:۱، ص:271

3-ایضا

4-ایضا

5-عہد عباسی کی یہ تقسیم متعدد محققین ومؤرخین نے کی ہے۔ تفصیلات کے لیے الترجمہ العربیۃ فی الہند قبل الاستقلال، ص:39-44، اصالۃ الحضارۃ العربیۃ، ص:432-433، ضحیٰ الاسلام، ج:1، ص:265-264 اور

حکماء الاسلام، ج:1، ص:39 سے مراجعت کی جاسکتی ہے۔
6- ترجمات الکتب الطبیۃ والفلسفیۃ فی عصر المامون، ص:132
7- ایضا
8- ایضا
9- الترجمۃ العربیۃ فی الہند قبل الاستقلال، ص:39
10- حرکۃ الترجمۃ واعلامہا فی العصر العباسی، ص:9
11- ایضا
12- مقالات شبلی، ج:6، ص:12
13- ایضا
14- ایضا
15- الترجمۃ العربیۃ فی الہند قبل الاستقلال:40
16-ایضا
17- ایضا
18- ایضا
19- المامون العباسی، ص:33
20- الترجمۃ العربیۃ فی الہند قبل الاستقلال، ص:40
21- تاریخ الفلسفۃ الاسلامیۃ، ص:30
22- ایضا، ص:30
23- ہارون الرشید، ص:40
24- ایضا، ص:42
25- ایضا، ص:45
26- ایضا، ص:50
27- الترجمۃ العربیۃ فی الہند قبل الاستقلال، ص:41
28- ایضا
29- ایضا
30- ایضا

31- ایضا
32- بیت الحکمت کی طبی خدمات، ج:1،ص:187
33- ایضا
34- حکماء الاسلام، ج:1،ص:72
35- ایضا،ص:73
36- ج:2،ص:18
37- حکماء الاسلام، ج:1،ص:75
38- ایضا
39- طبقات الامم، ج:1،ص:197
40- حکماء الاسلام، ج:1،ص:76
41- علم الکلام، ج:1،ص:33
42- اسماء علماء المسلمین فی الریاضیات،ص:25
43- مقالاتِ شبلی، ج:6،ص:21
44- علم الکلام، ج:1،ص:49
45- مقالاتِ شبلی، ج:6،ص:21
46- تاریخ الآداب العربیۃ، ج:2،ص:61
47- حکماء الاسلام، ج:1،ص:73
48- رسالہ جامعہ، ج:70،شمارہ:1،ص:41
49- الترجمۃ العربیۃ فی الہند قبل الاستقلال،ص:44
50- ضحیٰ الاسلام، ج:1،ص:265
51- الدوائر المتداخلہ،ص:30
52- الترجمۃ العربیۃ فی الہند قبل الاستقلال،ص:44

باب:5

ترجمہ نگاری کے اسباب ومحرکات

اس شعبے میں خلفا، امرا اور عام اہلِ علم کی مسابقہ آرائی پر گفتگو شروع کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان اسباب ومحرکات کا ذکر کردیں، جنھوں نے بے شمار کتابوں اور مختلف الموضوع علوم کے ترجمے میں عظیم کردار ادا کیا:

1-قرآن وحدیث کی تعلیمات

قرآن کریم میں ایک سے زائد مقامات پر تعلیم وتفکیر اور بحث وتحقیق کی ترغیب دی گئی ہے، مثال کے طور پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"قُلِ انظُرُوا مَاذَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ"۔[1]

(ان سے کہیے کہ زمین وآسمان میں موجود چیزوں میں غوروفکر کریں)

حصولِ علم کے لیے ترکِ وطن کی ترغیب یوں دی گئی ہے:

"قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا ---"۔[2]

(آپ کہیں کہ روئے زمین پر چلو پھرو اور غور کرو۔۔۔)

علمِ طبیعیات کے حوالے سے ارشاد ہے:

"أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ"۔[3]

(کیا ان کافروں کو یہ معلوم نہیں کہ آسمان وزمین بند تھے، پھر ہم نے انھیں کھول دیا اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا)

علمِ جغرافیہ کے حوالے سے:

"وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ فَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ"۔[4]

(اور ہم ہی ہواؤں کو بھیجتے ہیں جو بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں، پھر ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں اور تمھیں سیراب کرتے ہیں)

علمِ نباتات کے حوالے سے:

"وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ"۔[5]

(اور وہی وہ ذات ہے، جس نے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا)

علمِ حیوانات کے سلسلے میں:

"أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ..."۔[6]

(کیا وہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح ان کی تخلیق ہوئی ہے)

تاریخِ طبیعیات کے سلسلے میں:

"وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم"۔[7]

(اور نہیں ہے روئے زمین پر کوئی چوپایہ اور اپنے بازووں سے اڑنے والا پرندہ، مگر وہ بھی تمہاری طرح ہی مختلف اقوام ہیں)

جنین کے علم کے بارے میں:

"يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ..."[8]

(وہ تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹ میں بناتا ہے، ایک کے بعد دوسری شکلوں میں، تین تاریکیوں کے اندر)

طبِ وقائی (پرہیز) کے سلسلے میں:

"حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ ..." [9]

(تم پر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا گیا ہے)

قرآن کریم میں اس طرح کی بہت سی آیتیں موجود ہیں، جن کے ذریعے مختلف علوم و فنون کی طرف رہنمائی حاصل ہوتی ہے، ان میں سے بعض علوم تک انسان کی رسائی ہو چکی ہے، جبکہ بہت سے علومِ قرآنی ایسے ہیں، جو اب بھی انسانی ادراک سے پرے ہیں۔ [10]

جہاں تک حدیثِ نبوی ﷺ کی بات ہے، تو حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"كن عالما أو متعلما أومستمعا أو محبا، ولاتكن الخامسة، فتهلك، والخامسة أن تبغض العلم وأهله"۔ [11]

(یا تو تم عالم بنو یا متعلم بنو یا سامع بنو یا اہلِ علم سے محبت کرنے والے بنو اور تمھارے اندر پانچویں صفت پیدا نہیں ہونی چاہیے؛ کیوں کہ وہ تمھاری ہلاکت کا سبب بن جائے گی اور وہ یہ ہے کہ تم علم اور اہلِ علم سے دشمنی اور بغض رکھو)

علم کی اہمیت کے سلسلے میں ارشاد ہے:

"علمواويسرواولاتعسروا"۔ [12]

(علم سکھاؤ، آسانیاں پیدا کرو اور مشکلات پیدا نہ کرو)

ایک دوسری حدیث میں مروی ہے:

"إن فضل العالم على العابدكفضل القمرليلة البدرعلى سائرالكواكب"۔ [13]

(ایک عالم کی فضیلت ایک عبادت گزار پر ایسی ہے، جیسے کہ چودھویں کے چاند کی تمام ستاروں پر)

مزید فرماتے ہیں:

"فضل العالم على العابد كفضلي على أدناكم"۔ [14]

(عالم کی فضیلت عبادت گزار پر ایسی ہے، جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ ترین انسان پر)

طلبِ علم اور حصولِ علم کے سلسلے میں مہاجرت کی اہمیت یوں بیان کرتے ہیں:

"من طلب علمافأدركه، كتب الله له كفلين من الأجر،ومن طلب علماً فلم يدركه كتب الله له كفلا من الأجر"۔[15]

(جو شخص حصولِ علم کے لیے نکلا اور وہ اس میں کامیاب رہا، تو اس کے لیے اجر کے دو حصے ہیں اور جو شخص حصولِ علم کے نکلا اور اس میں کامیاب نہیں ہو سکا، تو بھی اسے اجر کا ایک حصہ ملے گا)

علم کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں:

"من سئل عن علم فكتمه، ألجمه الله بلجام من نار يوم القيامة"۔[16]

(جس سے کوئی بات معلوم کی گئی اور اس نے اسے چھپایا، تو قیامت کے دن اس کے منھ پر آگ کی لگام لگا دی جائے گی)

اگر آپ احادیث کی مراجعت کریں، تو علم اور متعلقاتِ علم پر آپ کو بے شمار حدیثیں ملیں گی۔ اس سلسلے میں ایک اہم اور اصولی حدیث، جو کافر و مومن ہر شخص کے لیے قابلِ عمل ہے، یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

"اللّٰهم إني أعوذ بك من علم لاينفع"۔[17]

(اے اللہ! میں غیر نافع علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں)

معلوم ہوا کہ ہر وہ علم، جو نقصان کا باعث ہے، وہ ناپسندیدہ اور نامقبول ہے اور ایسے علم کے حصول سے پرہیز کرنا چاہیے۔

2-عربوں کا غیر عرب سے اختلاط:

جب عربوں کو دنیا کی نئی ثقافتوں کا علم ہوا، تو انھیں شوق ہوا کہ وہ ان ثقافتوں کو برتیں اور اپنی فکری وسعت کا سامان کریں اور شاید ابتداءً اس قسم کا جذبہ تقلیدِ محض کے طور پر پیدا ہوا تھا۔[18]

3۔عربوں کی علمی ضرورت:

کئی ایسے علوم تھے جن کی عربوں کو ضرورت تھی، جیسے کہ علمِ طب اور عبادتوں کے

اوقات کی تعیین، رمضان و حج کے مہینوں اور سال کے آغاز کو جاننے اور سمجھنے کے لیے علم ریاضی اور اوقات کا علم۔

4-تہذیبی نتائج:

جب کوئی ملک سیاسی ترقی حاصل کرتا ہے اور وہاں خوشحالی کا بول بالا ہو جاتا اور آبادیاں بڑھتی ہیں، تو لوگ فکری زندگی کو بہتر بنانے کے لیے وسیع پیمانے پر حصولِ علم میں مشغول ہونے لگتے ہیں۔[19]

5-خلفائے وقت کا ترجمہ و مترجمین کی نگرانی و سرپرستی کرنا:

خلفائے وقت مترجم کو ترجمے کے مسودے کے وزن کے بہ قدر سونا دیا کرتے تھے، پھر ہارون رشید نے ایک ادارہ ''بیت الحکمت'' کے نام سے قائم کیا، جو مامون کے زمانے میں ترقی پا کر ایک عظیم دارالترجمہ کی شکل اختیار کر گیا اور فلسفے کا ترجمہ سرکاری پالیسی کا حصہ قرار پایا، اس زمانے میں بہت سے ایسے صاحبِ ثروت خانوادے بھی تھے، جو کتابوں کے حصول اور ان کے ترجمے پر زرِ کثیر صرف کیا کرتے تھے، مثلاً اکیلے آلِ منجم کتابوں کے ترجمے پر مہینے بھر میں پانچ سو دینار خرچ کیا کرتے تھے۔[20]

6-علم کو ترقی کی علامت سمجھنا:

خلافتِ عباسیہ نے اپنی قوت و شوکت کے زمانے میں علم اور ترجمے کو حکومت کی تہذیبی، ثقافتی و عمرانی ترقی کی اہم علامت قرار دے رکھا تھا۔[21]

7-مذہبی مناظرے:

عہد بنو امیہ میں اہلِ علم جامع مسجدوں میں علمی حلقے اور مجلسیں قائم کیا کرتے تھے اور ان مجلسوں میں قضا و قدر اور انسان کے مجبور و مختار ہونے کے سلسلے میں زوردار بحثیں ہوا کرتی تھیں، اس طرح لوگوں کی مجموعی طور پر دو جماعتیں بن گئیں، ان میں سے ہر ایک، ایک

رائے کی تائید کرتی اور دوسری کی مخالفت کرتی تھی؛ اسی وجہ سے عہدِ عباسی تک پہنچتے پہنچتے انھیں ایسے علم (منطق فلسفہ وغیرہ) کی ضرورت پیش آئی، جو اس قسم کے مناظروں اور مباحثوں کے دوران اپنا دعویٰ ثابت کرنے میں ان کے لیے معاون ثابت ہو سکے۔[22]

8-یونانی فلسفہ و منطق کا علم حاصل کرنا:

مذہبی مباحثے مسلمانوں اور دیگر مذاہب مثلاً یہودیت و نصرانیت کے ماننے والوں کے درمیان بھی ہوتے تھے، مسلمانوں کو محسوس ہوا کہ یہود و نصاریٰ منطق و فلسفہ کے ذریعے بحث کرتے ہیں؛ اس لیے انھوں نے ان علوم کے حصول کو ضروری سمجھا؛ تاکہ دینِ اسلام کا اچھی طرح دفاع کر سکیں۔[23]

9-عربی زبان میں دیگر علوم کی تدوین:

غیر عربی اقوام جنھوں نے اسلام قبول کیا یا اس کے جھنڈے کے نیچے پناہ لی، انھوں نے کچھ دنوں کے بعد اپنے علوم و فنون کو عربی زبان میں مدون کرنا شروع کر دیا؛ کیوں کہ عربی سے یا تو ان کا مذہبی رابطہ ہو گیا تھا یا اس لیے کہ عربی اس وقت پوری دنیا میں تیزی سے پھیل رہی اور دیگر زبانوں پر غالب آ رہی تھی، ایسا کر کے وہ فاتح عربوں سے اپنے آپ کو قریب بھی کرنا چاہتے تھے؛ تاکہ سرکاری اداروں اور سرکاری وظائف و مناصب سے استفادہ کر سکیں، وہ اپنے ماضی سے دوسروں کو واقف بھی کرانا چاہتے ہوں گے، کبھی کبھی یہ کام وہ اپنی قومی ضرورت اور سیاسی اسباب کی بنا پر بھی کرتے تھے۔[24]

10-نامعلوم کو جاننے کی چاہت:

اہلِ عرب علمِ نجوم اور مستقبل کے واقعات کو جاننے کے بڑے دلدادہ تھے۔ خلفا کے دربار میں بہ طور مترجم کام کرنے والے یہود و نصاریٰ نے جب ان سے کہا کہ:

> ''اگر یونانی کتابوں کا ترجمہ ہو گیا، تو ہم امورِ غیب کا علم حاصل کر سکتے ہیں؛ کیوں کہ ان کتابوں میں بہت زیادہ علمِ نجوم ہے''۔

تو ان خلفا نے امورِ غیب کا علم حاصل کرنے کے شوق میں علمِ نجوم سے متعلق بہت ساری کتابوں کا ترجمہ کروایا۔[25]

11-سلطنت کی وسعت:

جب عربوں نے غیر عربی ممالک اور شہروں کو فتح کیا، تو ان کے اور ان غیر عربی ملکوں کے باشندوں کے درمیان باہمی تعلقات بھی قائم ہوئے اور وہ بہ تدریج مضبوط ہوتے گئے، جس کی وجہ سے دونوں طرف کے لوگوں کو ایک دوسرے کے علوم ومعارف کے حصول کا شوق ہوا اور اس کی وجہ سے بھی ترجمے کی تحریک شروع ہوئی۔[26]

12- سرکاری ضرورت:

عباسی حکومت کو غیر عربی زبان میں مکتوب دساتیر اور اصولِ حکمرانی سے آگاہی حاصل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، جو زیادہ تر فارسی زبان میں تھے یا دوسری زبانوں میں؛ چنانچہ ان کا عربی زبان میں ترجمہ کروایا گیا۔[27]

13-دینی ودنیاوی ضرورت:

اجنبی اقوام اور قبائل نے جب اسلام قبول کیا، تو انھوں نے عربی زبان اولاً تو مذہبی ضرورت کی وجہ سے سیکھی اور ثانیاً خلفا کا تقرب حاصل کرنے کے لیے سیکھی اور پھر انھوں نے اپنے علوم وفنون کا بھی عربی زبان میں ترجمہ کیا۔[28]

14-وحدتِ زبان:

پروفیسر فللینو لکھتے ہیں:

> ”بنوامیہ کی حکومت کے اخیر زمانے تک ان تمام ممالک اور شہروں میں اسلامی حکومت قائم ہوگئی، جہاں مسلسل جنگوں اور فتوحات کے بعد زبردستی یا صلح کے ذریعے اس کا علم لہرانے لگا، یہ خطہ ترکستان کے دور دراز کے شہروں سے لے کر اقصائے مغرب اور اندلس تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے عربی زبان ان ملکوں اور شہروں کے لوگوں میں

عام ہوگئی اور وہاں کی اصل زبانوں پر غالب آ گئی، مسلمان چاہے جس نسل وجنس سے ہوں، وہ پڑھنے لکھنے میں عربی زبان استعمال کرنے لگے، اس طرح وحدتِ دین کے ساتھ زبان وتہذیب اور عمرانی وحدت کا دور بھی شروع ہوا اور فارس، عراق، شام ومصر کے لوگ اپنے قدیم علوم کو بھی اسلامی تمدن کے سانچے میں ڈھالنے لگے"۔ [29]

15-باطل افکار ونظریات کی تردید:

مانوی، یہودی اور نصرانی مذہب کی کتابوں کے عام ہونے کے بعد الحاد پھیلنے لگا، تو خلیفہ مہدی نے اولاً اس فتنے کو تلوار کے زور سے ختم کرنا چاہا اور اس نے بے شمار لوگوں کو مروا دیا، مگر جب اس کے بعد بھی فتنہ تھمتا ہوا نظر نہیں آیا، تو اس نے اس وقت کے علما کو حکم دیا کہ اس فتنے کے رد میں کتابیں لکھیں، اب اس پر لکھنے کے لیے انھیں پہلے ان فرقوں کی کتابوں سے واقفیت حاصل کرنا ضروری تھا؛ چنانچہ ان کی کتابوں کے ترجمے کیے گئے۔ [30]

16-حصولِ علم کا شوق:

جب ایک ملک دوسرے ملک پر فتح حاصل کرتا ہے، تو فاتح قوم مفتوح قوم کے علوم و فنون سے آگاہی حاصل کرنے اور اس کی ہزیمت کے اسباب کی کھوج لگانے کی خواہش مند ہوتی ہے، یہ نفسیات صرف فاتح قوم کی ہی ہوتی ہے، مفتوح قوم کی نہیں ہوتی؛ اسی وجہ سے عربوں نے جب فارس پر فتح حاصل کی، تو اہلِ فارس کے علوم وفنون کو سیکھا، جبکہ اہلِ فارس نے عربوں سے اُس وقت کچھ نہیں سیکھا، البتہ جب وہ لوگ عربوں پر غالب آ گئے، تب انھوں نے عربوں کے علوم سیکھے۔ عباس محمود عقاد لکھتے ہیں:

"غلبہ وفتح ایک دوسرے سے تعارف وشناسائی کا دروازہ ہے، جیسا کہ اہلِ فارس نے عربوں پر غالب آنے کے بعد ان کے علوم وفنون سے استفادہ کیا"۔ [31]

17-علمی وفکری ماحول:

اسلام نے اپنی آمد کے بعد عربوں میں علم وفکر کی محبت پیدا کر دی، جس کی وجہ سے وہ ہر مفید علم کے حاصل کرنے میں دلچسپی لینے لگے اور دوسری قوموں سے بھی ہر وہ علم سیکھا، جو

ان کے لیے مفید اور بہتر تھا۔ عقاد ہی ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''اس پہلو سے ترجمے کا تبادلہ کسی واضح سبب کا منتظر نہیں تھا؛ کیوں کہ اس قسم کا لین دین محض دونوں طرف علم اور حیاتِ فکری کے وجود کو مستلزم ہے اور جب عربوں نے فارس، یونان اور بازنطینی سلطنت پر غلبہ حاصل کیا تھا، تب وہ (مفتوح اقوام) تو خود اپنے موروثی علم سے بھی نابلد تھیں، چہ جائیکہ وہ دوسروں کا علم سیکھنے پر توجہ دیتیں یا عربی و غیر عربی کتابوں کا ترجمہ کرتیں؛ لہذا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ عربوں نے فارس و یونان کے ان لوگوں کا علم حاصل کیا، جو ان سے کئی صدی پیشتر پائے گئے تھے''۔[32]

18- ماحول و موسم پرستاروں کے مؤثر ہونے کا عقیدہ:

عربوں کا یہ ایمان تھا کہ مختلف اوقات میں طلوع ہونے والے مختلف ستارے موسموں اور ان میں پیش آنے والے واقعات و احوال پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان کے یہاں ایک کہاوت مشہور تھی "إذا طلعت الشعرى جعل صاحب النحل يرى"۔[33] اس قسم کے ماحول کی وجہ سے عربوں نے علمِ نجوم کو عربی زبان میں منتقل کرنے میں غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ فرہاد دفتری لکھتے ہیں:

''علمِ نجوم کا ظہور خصوصاً اس وجہ سے ہوا کہ اہلِ عرب بہت سے سیاروں کی تاثیر کا مضبوط عقیدہ رکھتے تھے''۔[34]

19- ماضی میں شروع کردہ کاموں کی تکمیل:

عہدِ اموی میں شروع کیے گئے کاموں کی تکمیل سے دلچسپی اور ان کے حاصل کردہ علوم کو مکمل کرنے اور ان کی تحقیق و تفتیش کے جذبے نے بھی ترجمے کی تحریک کو آگے بڑھانے میں بڑا کردار ادا کیا۔ ڈاکٹر عبد الرحمن مرحبا لکھتے ہیں:

''انھیں ضرورت محسوس ہوئی کہ عہدِ اموی میں جو علمی تحقیقات شروع ہوئی تھیں، انھیں منظم کریں، مذہبی، لغوی اور عقلی علوم کی تحقیق کریں اور انھیں دقتِ نظر اور حسنِ تبویب کے ساتھ مرتب کریں''۔[35]

20- نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت:

پہلے عربوں کے پاس کوئی ایسی صاحبِ عقل وشعور قیادت نہیں تھی، جو انھیں علوم وفنون کے حصول کی ترغیب دلائے۔ جب آپؐ کی بعثت ہوئی، تو آپ نے انھیں جہاں تفکر وتدبر کی دعوت دی، وہیں دوسروں سے حصولِ علم کی بھی رغبت دلائی۔ ڈاکٹر عبدالرحمن لکھتے ہیں:

> ''اسلام سے قبل عربوں میں کوئی ایسی صاحبِ عقل وشعور شخصیت نہیں تھی، ان کے پاس کوئی منظم فکری بنیاد بھی نہیں تھی، جب اسلام کا ظہور ہوا، تو جزیرۂ عرب اور اس سے ملحق خطے میں ایسے گہرے اور دور رس تغیرات رونما ہوئے، جن کا سبب صرف آپؐ کی عظیم و ہمہ گیر شخصیت تھی، آپ کی آمد سے تمام تر نظام ہائے حیات بدل گئے اور ایک ایسا معاشرہ نمودار ہوا، جس کی نئی ضروریات، نئی امنگیں، نئی ذمے داریاں، نئی مشکلات و مسائل اور نئے اقدار و معیارات تھے، اسی وجہ سے انھیں تفکر وتدبر کے اتنے اور ایسے مواقع ملے، جو پہلے حاصل نہیں تھے اور انھوں نے اتنی جدوجہد کی، جتنی پہلے نہیں کی تھی۔ جب عربوں میں اسلام کی آمد کے بعد فکر وتدبر کی نئی اساس قائم ہوگئی اور ان کے سامنے نئے فکری و علمی مسائل آئے، تو ان کے اندر عقلی حرکیت پیدا ہوئی، جو روز بروز بڑھتی گئی، نئی منزلیں طے کیں اور جدید علمی سرچشموں سے استفادہ کیا، الغرض ان کا یہ فکری انقلاب ترجمے کی تحریک کا ایک اہم سبب تھا''۔[36]

21-خوشحالی وفارغ البالی:

زمانۂ جاہلیت میں عموماً اہلِ عرب غریب و مسکین ہوا کرتے تھے، بہ مشکل سدرمق کے بہ قدر مال ان کے پاس ہوتا تھا؛ لیکن اسلام کی آمد کے بعد ان کے حالات نے پلٹا کھایا، خوشحالیاں بڑھیں، عیش وعشرت کے اسباب پیدا ہوئے، فارغ البالی آ گئی۔ یہ صورتِ حال عہدِ عباسی میں زیادہ عام تھی؛ چنانچہ انھوں نے اپنی خواہش اور دلچسپی کے مطابق غور وفکر اور بحث و تحقیق کا سلسلہ شروع کیا، ترجمے کی تحریک میں تیزی و ترقی کا ایک سبب یہ بھی تھا۔[37]

22-عہدِ عباسی کا عام مزاج:

جیسا کہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے کہ عباسی حکومت نے مسلمانوں میں تفکر و تدبر اور تصنیف و ترجمے کا ایک عام مزاج پیدا کر دیا تھا، جس کی وجہ سے اس دور کے عام اہلِ علم و قلم بھی محض اپنے شوق کی وجہ سے کتابوں کا ترجمہ کرنا اور علم و فن کے میدان میں اپنا نقش قائم کرنا چاہتے تھے۔[38]

حواشی:

1- سورہ یونس، آیت:101
2- العنکبوت، آیت:20
3- الانبیاء، آیت:30
4- الحجر، آیت:22
5- الانعام، آیت:99
6- الغاشیۃ، آیت:17
7- الانعام:38
8- الزمر:6
9- المائدہ:3
10- المسلمون والعلم الحدیث، ص:19-30
11- مجمع الزوائد، ج:1، ص:328
12- مسند احمد، ج:1، ص:283
13- سنن ابوداؤد، حدیث نمبر:3641
14- سنن ترمذی، حدیث نمبر:2685
15- مجمع الزوائد، ج:1، ص:330
16- سنن ابوداؤد، حدیث نمبر:3685
17- صحیح مسلم، حدیث نمبر:6960

18- تاریخ العلوم عند العرب، ص:112

19- ایضا

20- ایضا،ص:113

21- تاریخ الطب فی الدولۃ الاسلامیۃ، ص:51

22- اصالۃ الحضارۃ العربیۃ، ص:433

23- ایضا،ص:434

24- ایضا

25- مقالاتِ شبلی، ج:6،ص:2

26- مقالات شبلی، ج:6،ص:4

27- ایضا،ص:6

28- الترجمۃ العربیۃ فی الہند قبل الاستقلال، ص:38

29- ضحیٰ الاسلام، ج:1،ص:266

30- مقالات شبلی، ج:6،ص:13

31- ساعات بین الکتب، ص:642

32- ایضا،ص:641

33- لسان العرب، مادہ:ش،ع،ر

34- Intellectual Traditions in Islam, Page;26

35- من الفلسفۃ الیونانیۃ الی الفلسفۃ الاسلامیۃ، ص:299

36- ایضا،ص:297-298

37- ایضا،ص:300، الفخری،ص:111

38- من الفلسفۃ الیونانیۃ الی الفلسفۃ الاسلامیۃ، ص:300-301

باب:6

قدیم مدارسِ ترجمہ

اس سے پہلے کہ ہم ترجمہ نگاری میں اہلِ علم اور حکومتوں کی مسابقہ آرائی کا تذکرہ کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان اداروں کا بالاختصار تذکرہ کر دیا جائے، جنھوں نے اس میدان میں نمایاں کردار ادا کیا؛ کیوں کہ وہ بھی ترجمے کی تحریک کے فروغ و ترقی کے اسباب میں شامل رہے ہیں۔

مدرسہ اسکندریہ (قائم شدہ:306ق م):

اس ادارے نے مذہبی علوم کے ساتھ طب پر خاص توجہ دی، یہاں حکیم جالینوس کی سولہ کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔[1] طب کے علاوہ کیمیا و فلکیات پر بھی اس ادارے میں تحقیق ہوتی تھی، حتی کہ جب اسلامی عربی فتوحات کا زمانہ آیا، تو اس وقت اسکندریہ اپنے خاص سائنسی و تحقیقی نظریے کے حوالے سے شہرت رکھتا تھا اور نو افلاطونیت (Neoplatonism) کا ظہورِ اولی یہیں ہوا۔

میکس مائرہوف (Max Meyerhof) نے چھٹی ساتویں صدی عیسوی میں مدرسہ اسکندریہ سے فارغ ہونے والے متعدد اطبا اور فلاسفہ کا ذکر کیا ہے، جن میں یحی نحوی، اصطفان اسکندرانی، یوحنا افامی، سرجیوس راسعنی وغیرہ شامل ہیں۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ عربوں کی ابتدائی علمی و فکری تحقیقات میں ان حضرات کی کتابوں کا اہم رول تھا۔[2]

پھر جب ہم جزیرۂ عرب کے گردو پیش کے خطوں پر نظر دوڑاتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ جہاں جہاں یونانی علوم نے ترقی حاصل کی، وہاں کے لوگ یا تو فارسی بولتے تھے یا سریانی جیسے نصیبین، قنسرین، جندیساپور کے نساطرہ اور انطاکیہ اور دیار بکر کے یعاقبہ، اس کے علاوہ عبادت گاہوں میں بھی مدارس موجود تھے۔ قابلِ ذکر یہ ہے کہ یہ مدارس جہاں ایک طرف اعلیٰ درجے کی مذہبی تعلیم دیتے تھے، وہیں ان درس گاہوں میں اس وقت رائج دنیوی علوم مثلاً نحو، بیان، فلسفہ، طب، موسیقی، ریاضیات وفلکیات کی بھی تعلیم ہوتی تھی۔ جیسا کہ متعدد تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ فلسفے کے ضمن میں ارسطو کی منطق اور طب میں بقراط و جالینوس کی بنیادی تصنیفات پڑھائی جاتی تھیں۔[3] ان مدارس میں سریانی زبان کے ساتھ یونانی زبان بھی پڑھائی جاتی تھی اور اسی وجہ سے مختلف مقاصد کے تحت بہت سی یونانی کتابوں کا سریانی زبان میں ترجمہ بھی کیا گیا۔[4]

اوپر جن ترجمے کی تعلیم دینے والے اداروں کی طرف اشارہ کیا گیا، ان میں سے کچھ یہ تھے:

1- مدرسۂ قنسرین:

یہ نہرِ فرات کے کنارے واقع تھا، یہاں سے ایسے بہت سے علما نکلے، جنھوں نے عربوں کی علمی فکر کے فروغ میں غیر معمولی کردار ادا کیا، یہی وہ لوگ تھے، جنھوں نے یونانی زبان میں پائی جانے والی فلسفہ وطب کی کتابوں کا سریانی زبان میں ترجمہ کیا، سوایرا بوخت (وفات: 667ء) یعقوب رہاوی (708ء) کا شاگرد اور اسقف العرب مارگریس (725ء) اس مدرسے کے نمایاں فضلا تھے۔[5]

2- مدرسۂ جندیساپور (500ء):

اس کی بنیاد شاہِ فارس نوشیرواں نے رکھی تھی، جس نے بازنطینی بادشاہ جوسٹینان کے ذریعے یونانی فلاسفہ کو جلاوطن کیے جانے اور ان کے مدرسوں کو بند کیے جانے کے بعد انھیں

اپنے یہاں پناہ دی تھی، اس نئے ادارے کا امتیاز یہ تھا کہ یہاں صرف یونانی، سریانی اور فارسی زبانوں میں ہی تحقیقیں نہیں ہوئیں؛ بلکہ ہندستانی فکر و فلسفہ اور علوم وفنون کے ایک بڑے ذخیرے کا بھی پہلوی زبان میں ترجمہ کیا گیا، اس مدرسے میں طب کا ایک بڑا شعبہ تھا، جس سے ملحق ایک ہسپتال بھی تھا، اس کی سربراہی جورجس بن بختیشوع کرتا تھا، جو عباسی خلیفہ (ابوجعفر منصور) کا ڈاکٹر رہ چکا تھا۔ اس مدرسے میں طبِ یونانی کی تعلیم دی جاتی اور اسے فروغ دیا جاتا رہا۔ اس مدرسے کے فضلا میں عظیم عربی طبیب حارث بن کلدہ اور اس کا بیٹا نضر شامل ہیں۔ رازی نے ''رسالۃ السموم'' کے مصنف شناق کا ذکر کیا ہے، جسے منکہ نے فارسی زبان میں منتقل کیا تھا۔[6] عباسی خلافت کے دورِ اول میں اس مدرسے کے اطبا بغداد منتقل ہو گئے تھے، ان میں سے زیادہ تر بختیشوع خاندان سے تھے، ان میں سے کچھ لوگ خلفائے وقت اور وزیروں کے ڈاکٹر ہوئے، کچھ عام ہسپتالوں کے ڈاکٹر ہوئے، جبکہ کچھ لوگ طب و فلسفہ کے استاذ تھے۔[7]

3۔ مدرسۂ حران:

یہ مدرسہ سکندر کے عہد میں قائم کیا گیا اور ایک عرصے تک قومی یونانی تحقیقات اور نو افلاطونیت کی تعلیم و تحقیق کا مرکز رہا۔ یہ مدرسہ صابیوں کا بھی مرکز تھا، ان کی زبان سریانی تھی اور اس مدرسے میں زیادہ توجہ ریاضیات، فلکیات اور علمِ نجوم کی تدریس پر دی جاتی تھی۔ اس ادارے کے مشہور علما میں ثابت بن قرہ، اس کا بیٹا سنان بن ثابت اور ماہر فلکیات و ریاضیات بتانی شامل ہیں۔ علم ریاضیات و فلکیات کی نشر و اشاعت میں اس مدرسے کا نہایت سرگرم کردار تھا۔

4۔ مدرسۂ رہا:

دی بور نے لکھا ہے کہ ''رہا'' کی بولی اس درجہ ترقی کر چکی تھی کہ اس کا اپنا رسم الخط ہو سکتا تھا۔ مشہور ہے کہ اس درس گاہ میں سریانی و یونانی زبانیں پڑھائی جاتی تھیں، جب بادشاہ زینون نے اس کے اساتذہ کے نسطوری عقائد کی وجہ سے اس مدرسے کو بند کر دیا، تو وہ

سب لوگ نصیبین کی طرف ہجرت کر گئے۔[8]

5-مدرسۂ نصیبین:

انہی اساتذہ نے یہ مدرسہ شروع کیا، یہ سارے کے سارے نسطوری عقائد رکھتے تھے، یونانی فلسفے سے اپنے عقائد ونظریات کی صحت پر استدلال کرتے تھے، اسی وجہ سے جدید افلاطونیت کو غیر معمولی ترقی حاصل ہوئی اور وہ فارس تک پہنچ گئی، اپنے مذہب کے دفاع کے ساتھ وہ لوگ یونانی فلسفے کا بھی دفاع کرتے تھے۔

6-مدرسۂ قیساریہ:

اس کی بنیاد اوریجس نے رکھی تھی، جو مدرسہ اسکندریہ چھوڑ کر آیا تھا، یہ بھی مدرسۂ نصیبین جیسا تھا۔

7-مدرسۂ انطاکیہ:

اس کی بنیاد مالیخون نے 270ء کے لگ بھگ انطاکیہ میں ڈالی، اسی مدرسے کی بہ دولت نو افلاطونیت کو فروغ حاصل ہوا، اس مدرسے کا زیادہ زور یونانی فلسفے کو سریانی زبان میں منتقل کرنے پر تھا۔

اس مختصر جائزے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مختلف مسیحی فرقوں کے ظہور اور ان ملکوں کے عربوں کے ہاتھوں فتح کیے جانے کے بیچ کا عرصہ یونانی وسریانی زبانوں میں ترجموں، تشریح واضافے سے مالا مال تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یونانی فلسفہ مختلف مذہبی فرقوں کے معتقدات کے لیے معاون تھا؛ کیوں کہ وہ لوگ اپنے عقائد کو صحیح ثابت کرنے کے لیے فلسفۂ یونان سے ہی استدلال کیا کرتے تھے۔

الغرض یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مدارس اور تعلیم گاہیں پہلے سے ایک زرخیز زمین کی صورت میں موجود اور عربی فکر کے بیج کا استقبال کرنے کے لیے تیار تھیں، جو عن قریب ہی معرضِ ظہور میں آنے والا تھا۔ گو مجموعی طور پر یہ مدارس محض عقلی وفکری ماحول کے تحفظ میں مصروف

رہے، نہ تو وہاں سے نمایاں فلاسفہ پیدا ہوئے اور نہ ممتاز صلاحیتوں کے حامل اہلِ علم نکلے، نہ ان اداروں سے ایسی قیمتی اور قابلِ ذکر کتابیں اور تحقیقات سامنے آئیں، جو انھیں بقاے دوام عطا کرتیں۔ [9] البتہ ان مدارس نے ایسی بنیادیں ضرور قائم کیں، جن پر اہلِ عرب نے فلسفہ، مذہب، طب و ریاضی وغیرہ کی بالا بلند عمارتیں تعمیر کیں اور وہاں سے ترقی پذیر و دور رس علوم کے چشمے جاری کیے۔

حواشی:

1- التراث الیونانی فی الحضارۃ الاسلامیۃ، ص:46
2- ایضا، ص:45
3- ایضا، ص:42-43
4- الفکر العربی و مرکزہ فی التاریخ، ص:47-46
5- ایضا، ص:14
6- فی التراث الاسلامی، ص:56
7- تاریخ الفلسفۃ فی الاسلام، ص:21
8- ایضا، ص:25
9- ایضا، ص:41

باب: 7

ترجمہ نگاری کے شعبے میں
خلفا، وزرا اور عام اہلِ علم کی مسابقہ آرائی

عہدِ عباسی کو اس اعتبار سے امتیاز حاصل ہے کہ اس زمانے کے خلفا، امرا، وزیروں اور عام اہل علم نے ترجمہ نگاری کا غیر معمولی اہتمام کیا؛ بلکہ ان کے مابین ایک قسم کی مقابلہ آرائی ہوتی تھی اور ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ وہ اس سلسلے میں دوسرے پر سبقت لے جائے، جیسا کہ ترجمہ شدہ کتابوں اور تالیفات کی کثیر تعداد سے اندازہ ہوتا ہے، اس وجہ سے ہم ایک مستقل باب میں ان خلفا، وزرا اور عام اہلِ علم کا ذکر کر رہے ہیں، جنھوں نے اس میدان میں باہم مسابقت کی اور ترجمہ نگاری پر غیر معمولی توجہ دی۔

1- عصرِ عباسی کے خلفا:

خلیفہ ابوجعفر منصور کو جب جورجس بن جبریل کی علم طب میں مہارت کا علم ہوا، تو اس نے 148ھ میں اپنے علاج کے لیے اسے بلوایا اور اس کی بہت زیادہ تعظیم وتکریم کی، وہ (ڈاکٹر) اپنے مذہب (عیسائیت) پر قائم رہتے ہوئے خلیفہ کے یہاں مقیم رہا اور اس کا خاص طبیب تھا۔ جب آخری عمر میں بیماری کی وجہ سے وہ اپنے وطن لوٹنے لگا، تو خلیفہ نے اسے زادِ راہ کے طور پر پچاس ہزار دینار دیے۔[1] اسی طرح اس نے روم کے بادشاہ قسطنطین خامس کو لکھا تھا کہ اسے نصابی کتابوں کے ترجمے چاہئیں؛ چنانچہ اس نے اقلیدس اور علمِ

طبیعیات کی بعض کتابیں بھیجی تھیں۔ انہی کتابوں میں مجسطی بھی رہی ہوگی؛ کیوں کہ وہ علمِ نجوم پر تھی اور خلیفہ منصور علمِ نجوم سے غیر معمولی دلچسپی رکھتا تھا۔

جہاں تک ہارون رشید کی بات ہے، تو اس نے تو خاص ترجمے کے لیے ایک ادارہ ''بیت الحکمت'' کے نام سے قائم کیا تھا۔ اس نے مترجمین کا مختلف شکلوں میں تعاون کیا۔ جنگی فتوحات سے اسے بازنطینی و یونانی کتابوں کا جو ذخیرہ ہاتھ لگا، سب کا ترجمہ کروایا اور اس راہ میں خاصا مال ومنال خرچ کیا، ترجمہ نگاروں پر بے پناہ نوازشات کیں۔ [2] وہ اپنے دربار کے ایک مشہور مترجم کی بہت زیادہ قدر کرتا تھا، اس کی کوئی سفارش رد نہیں کرتا تھا، حتی کہ کھانا کھانے کے لیے بھی اسی سے مشورہ کرتا تھا۔ [3] کھانے پینے کے سلسلے میں وہ ابن بختیشوع سے بھی مشورے لیتا تھا۔ [4]

اس کے بعد جب خلافت مامون رشید کے ہاتھ آئی، تو سیاسی وانتظامی مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس نے بیت الحکمت کی تعمیر وترقی پر بھی خاص توجہ دی اور صرف کتابوں کے حصول کے لیے اس نے ایشیاے کوچک سے لے کر قبرص، ہندستان اور حبشہ تک اپنے سفرا اور وفود بھیجے، اس نے یونانی، سریانی، فارسی اور ہندوستانی زبانوں کی کتابوں کا ترجمہ کرنے والوں کو مالا مال کر دیا، بیان کیا جاتا ہے کہ صرف یونانی کتابوں کے ترجمے پر اس کی حکومت نے تین لاکھ دینار خرچ کیے۔ [5]

وہ ترجمہ کرنے والے کو ترجمے کے وزن کے بہ قدر سونا دیا کرتا تھا۔ [6] اس نے اپنے زمانۂ خلافت میں ترجمہ نگاروں کی بے پناہ قدر افزائی کی۔ ماہر عبد القادر لکھتے ہیں:

> ''مامون حنین کو بہت زیادہ پسند کرتا تھا اور اس کے علم وفضل کا قدردان تھا، بیت الحکمت کی سربراہی اس کے حوالے کر دی تھی اور اس میں ماہرینِ علم وفن جمع کر دیے تھے، جو یونانی علوم کے ذخیرے کو عربی زبان میں منتقل کرتے تھے''۔ [7]

خلیفہ متوکل کے عہد میں تو یہ فن اپنے کمال کو پہنچ گیا تھا۔ اس نے حنین بن اسحاق (سرکاری مترجم) کو اپنے مکانات میں سے تین ہدیتاً دے دیے، یہ مکانات جملہ سہولیات و

اسبابِ آرایش و آسایش، سامانِ زندگی اور کتابوں سے مزین تھے، اس کے لیے جاگیریں مختص کیں، پندرہ ہزار درہم ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا، خدمت کے لیے تین رومی غلام دیے اور اس کے ساتھ ساتھ حنین بن اسحاق کے اہلِ خانہ کو بھی بے حساب مال و دولت اور جاگیروں سے نوازا۔[8]

روایت ہے کہ ابن بختیشوع (ایک دوسرا سرکاری مترجم) قدر و منزلت اور قوت و اختیار میں اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اس کا لباس و خوراک اور رہایش وطرزِ معاشرت خلیفہ جیسے ٹھاٹ باٹ کے حامل تھے۔[9] اس شخص پر خلفاے بنو عباس اپنے خادموں، خادماؤں اور باندیوں سے بھی زیادہ اعتماد کرتے تھے۔[10]

خلیفہ واثق باللہ باقاعدہ حکما و اطبا مثلاً ابن بختیشوع، ابن ماسویہ، میخائیل بن اسحاق وغیرہ کے ساتھ مجلسیں برپا کرتا اور ان سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتا اور ان سے مختلف سوالات کیا کرتا تھا۔ مروج الذہب میں اس قسم کی ایک مجلس کی روداد مذکور ہے۔[11]

بعض سوانح نگاروں نے ثابت بن قرہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ خلیفہ راضی باللہ کے مقربین میں شامل تھا۔[12]

2-عہدِ عباسی کے وزرا:

ترجمہ نگاری کے فن کو مالا مال کرنے والے عہدِ عباسی کے وزرا، امرا، خلفا کے حاشیہ نشینوں کی بھی ایک بڑی تعداد ہے، ان میں سے چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

برامکہ خلافتِ عباسیہ کے وزرا میں سب سے زیادہ اصحابِ رتبہ تھے، ان کی خدمات کا دائرہ تعمیرات و سرکاری نظم و انتظام سے لے کر علم و فن تک پھیلا ہوا ہے، ان کی خدمات کے تذکرے سے قبل مناسب ہے کہ کچھ ان کی تاریخ، سوانح اور احوال و کردار پر بھی روشنی ڈالی جائے:

لفظِ برمک اصلاً فارسی زبان کا لفظ ہے اور اس کی اصل ''برمگ'' ہے اور اس کے معنیٰ ہیں مجوسی عبادت خانے کا محافظ۔[13] اس خاندان کا تعلق فارس کے شہر بلخ سے تھا اور برمک ایک لقب تھا، جو نوبہار (مذہبی تہوار) کا نظم کرنے والوں کو دیا جاتا تھا۔[14] جس کی اصل

''وہار بودھ'' سے مشتق ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ برامکہ اصلاً بودھ مذہب کے ماننے والے تھے۔[15] ان کا نسب نامہ یوں ہے: یستاشف، جاماس، جعفر، خالد، یحیٰ اور اس کے بعد فضل، محمد، جعفر، موسیٰ، عباس، احمد، خالد، عبداللہ اور ابراہیم۔[16] اس خاندان کے جدامجد جعفر 31ھ میں خراسان فتح ہونے کے بعد آئے۔[17] یہ شخص علم نجوم، فلسفہ اور طب میں ماہر اور ایک بڑا شاعر تھا، اس کی شاعرانہ مہارت نے ہی اسے خلیفۂ وقت کے دربار تک پہنچایا، پھر وہ دربارِ خلافت میں منشی مقرر ہوا، پھر وزارت کے عہدے تک پہنچا۔[18] جعفر نے ولید بن عبدالملک کے عہد میں اسلام قبول کیا تھا۔[19]

اس کا بیٹا خالد پہلے عباسی خلیفہ سفاح کا وزیر مقرر ہوا اور اس نے خلافت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ بغداد شہر کی آبادکاری میں بھی اس کا حصہ تھا۔[20] وہ مہدی کا استاذ بھی تھا۔[21] اسے موصل کا عامل اور طوستان کا گورنر بھی بنایا گیا تھا۔[22] کئی بار وہ خلیفہ کا مشیر بھی رہا۔[23]

اس کے بعد یحیٰ کا نمبر آتا ہے، جو مختلف علوم وفنون کا جامع، بہادر، ثابت قدم اور باحوصلہ وزیر تھا۔[24] اسی کی تعریف کرتے ہوئے ایک بار خلیفہ مہدی نے کہا تھا:

''باپ بیٹوں کو جنم دیتے ہیں، مگر خالد بن برمک نے باپوں کو جنم دیا ہے''۔[25]

اس نے موسیقی کے ماہرین اور اطبا کی حوصلہ افزائی کی اور اپنے پیچھے ایسی اولاد چھوڑی، جو اپنی ذہانت، سخاوت، بہادری اور علما و مترجمین کی قدردانی کے حوالے سے مشہور ہوئی، اس میں سرفہرست فضل، جعفر، موسیٰ اور محمد تھے؛ یہ سبھی ذہین، سخی، ادیب اور اطبا و علما سے محبت کرنے والے، ان کی قدردانی کرنے والے تھے۔

عباسی حکومت کے قیام اور اس کی بنیادوں کو مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کرنے کے ساتھ ذیل کی سطور میں علمی حوالوں، خصوصاً ترجمہ نگاری کے باب میں ان کے نمایاں کارناموں پر روشنی ڈالی جاتی ہے:

برامکہ میں سے جس نے مختلف علوم وفنون کو عربی زبان میں منتقل کرنے اور مترجمین کو اس

کام کی ترغیب دینے میں سب سے بڑا کردار ادا کیا، ان میں یحیٰ کا نام نمایاں ہے؛ کیوں کہ اسی نے بیت الحکمت کا ابتدائی خاکہ بنایا تھا، جسے ہارون رشید نے زمین پر اتارا اور اس ادارے کی تعمیر عمل میں آئی، اسی نے ہندوستان جیسے دور دراز ملک سے ماہر طبیب مثلاً منکہ، کنکہ، شاناق اور جودر وغیرہ کو بلوایا اور ان کی کتابوں کا عربی ترجمہ کروانے میں زرِ کثیر صرف کیا، اس کے زمانے میں اور اس کی کوششوں سے جن کتابوں کا ترجمہ ہوا، ان میں کتاب المنصور، قرابادین، کتاب العطر، کتاب سسرد، مجسطی اور کلیلہ ودمنہ شامل ہیں۔[26] اسی طرح خود اس نے اپنے پاس بے شمار کتابیں اکٹھا کر رکھی تھیں اور اس کی ذاتی لائبریری میں کتابوں کا ایک عظیم ذخیرہ تھا۔[27]

جعفر نے بھی اس علمی ادارے کی ترقی اور اسے کتابوں اور مترجمین سے ثروت مند بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔[28] نیز اسی کے زمانے میں فن خوش خطی وخطاطی کو عروج حاصل ہوا، خطاط احول اسی کے زمانے میں پایا جاتا تھا، جس نے ''اقلام الثقال'' اور ''قلم الطومار'' نامی دو رسم خط ایجاد کیے تھے۔

فضل نے کاغذ سازی کی صنعت پر بہت سا مال ودولت صرف کیا۔[29] اگر وہ ایسا نہ کرتا، تو قریب تھا کہ یہ صنعت پوری طرح ختم ہو جاتی اور زوال کا شکار ہو جاتی۔ جعفر نے ہی سفارت کا سلسلہ شروع کیا، اس سے پہلے عربوں میں اس کا رواج نہیں تھا، اس کے شروع ہونے سے غیر عربی علوم وفنون کے ترجمہ وتعریب کی بے شمار راہیں کھل گئیں۔[30]

موسی کی اولاد بھی علم ومرتبت کے حوالے سے مشہور تھی، انھوں نے بھی علمی وفلسفیانہ کتابوں کی حصول یابی اور ان کے ترجمے پر خوب مال وزر خرچ کیا، انھوں نے مترجمین کے لیے باقاعدہ الگ رہائش گاہ بنوادی تھی، جہاں وہ قیام کرتے اور کتابوں کے ترجمے میں مصروف رہا کرتے تھے۔[31]

یہ لوگ روم سے یونانی کتابوں کی خرید کے لیے وفود بھیجنے اور مملکت میں موجود ماہر مترجمین سے معاملہ کرنے میں خلفا سے بھی مسابقہ آرائی کیا کرتے تھے، علم وفن کے تئیں ان

کے غیر معمولی اہتمام اور توجہ پر دال وہ دو رسالے بھی ہیں، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ محمد بن موسیٰ کے لکھے ہوئے ہیں، ایک رسالہ جزءِ لایتجزیٰ کے سلسلے میں ہے اور دوسرا دنیا کی ازلیت پر ہے۔[32]

حنین بن اسحاق وزیر قاسم بن عبداللہ کا خاص آدمی تھا، وہ اس کے رازوں سے واقف تھا اور اسے ایسی باتیں بھی بتایا کرتا تھا، جو وہ اوروں سے چھپاتا تھا۔[33]

معتصم باللہ کے وزیر محمد بن عبدالملک زیات نے اپنے طور پر مختلف یونانی کتابوں کے ترجمے کا اہتمام کیا تھا، اس کے لیے یہ کام یوحنا، جبریل، بختیشوع، داؤد بن سرابیون، سلمویہ، یسع، اسرائیل بن زکریا اور حبیش بن حسن وغیرہ کرتے تھے اور وہ اس پر ماہانہ دس ہزار دینار خرچ کیا کرتا تھا۔[34]

علی بن یحییٰ المعروف بہ ابن منجم مامون کے درباریوں میں تھا اور علم و مال دونوں نعمتوں سے بہرہ ور تھا، اس نے بھی متعدد کتابوں کا ترجمہ کروایا۔[35]

سابور ذوالاکتاف نے اپنے لیے کناش دیاتوس کی کتاب کا عربی میں ترجمہ کروایا۔[36]

علی المعروف بہ غیوم مصر میں ایک سرکاری عہدے پر فائز تھا، وہ مترجمین کو اتنا نوازتا تھا کہ وہ اس سے خوش رہتے تھے اور علی ان کے کاموں سے خوش رہتا تھا۔[37]

مامون کے وزیر فضل بن سہل ذوالریاستین (جس نے عمر بن فرخان طبری کو بلوا کر خلیفہ مامون سے ملوایا تھا اور اس کے عمر کے ساتھ خاص تعلقات تھے) نے بھی اپنے طور پر علمِ نجوم و فلسفہ کی بہت سی کتابوں کے ترجمے کروائے۔[38]

حقیقت یہ ہے کہ چوں کہ سیر و سوانح کی کتابوں میں ترجمہ نگاری و علم نوازی کے سلسلے میں وزرا، امرا اور دربارِ خلافت کے مقربین کے کردار پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی ہے؛ اس لیے ہم کما حقہ ان لوگوں کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ شیخ محمد خضری بک لکھتے ہیں:

''بنو شاکر کے علاوہ بھی بہت سے ایسے لوگ تھے، جو ان کے نقشِ قدم پر عمل پیرا رہے''۔[39]

3-عہدِ عباسی کے عوام:

کچھ ایسے عام اہلِ علم بھی تھے، جنھوں نے اپنے ذوق وشوق کی بنا پر ترجمہ نگاری میں دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور انھوں نے کئی اہم کتابوں کا ترجمہ کیا، مثلاً:

عبداللہ بن المقفع اول نے اخلاقیات وتربیت کے موضوع پر فارسی کتابوں کا عربی ترجمہ کیا۔ [40] جبکہ ابن المقفع ثانی نے منطق میں ارسطو کی بعض کتابوں، فرفوریوس کی ایساغوجی اور فارسی زبان کی چند طبی کتابوں کا عربی ترجمہ کیا۔ [41]

جندیساپور سے تعلق رکھنے والے شیر شوع بن قطرب نے ترجمے پر خاصا مال ودولت صرف کیا، اس کی ترجمہ کروائی ہوئی کتابوں میں سے زیادہ تر سریانی سے عربی میں منتقل کی گئی ہیں۔ [42]

بغداد کا پادری ثادری کتابیں جمع کرنے میں خاص دلچسپی رکھتا تھا۔ [43] ساتھ ہی ان کتابوں کا ترجمہ کروانے کا بھی اسے بہت شوق تھا۔ [44] چنانچہ اس نے مختلف نصرانی مترجمین کے ذریعے کئی علمی کتابوں کا ترجمہ کروایا۔ [45]

عیسی بن یونس الکاتب کو یونانی کتابوں سے خاصا شغف تھا، ان کتابوں کے ترجمے پر بھی اس نے بڑا مال خرچ کیا اور ترجمہ کرنے والوں کو انعام واکرام سے نوازا۔ [46] وہ خود بھی عراق کے اہلِ علم میں شمار کیا جاتا تھا۔ [47]

بختیشوع بن جبریل جو بغداد میں سب سے زیادہ صاحبِ ثروت تھا، سالانہ پندرہ لاکھ دینار کماتا تھا، اس نے جالینوس کی اکثر کتابوں کا ترجمہ کروایا۔ [48]

احمد بن محمد معروف بہ ابن المدبر مترجمین پر بہت مال خرچ کرتا تھا، انھیں تحائف سے نوازتا تھا۔ ابو محمد حسن بن موسیٰ نے اس کی سرپرستی میں کئی کتبِ فلسفہ کا ترجمہ کیا۔ [49]

ابراہیم بن موسی الکاتب کو یونانی کتابوں کا عربی ترجمہ کروانے کا بہت شوق تھا؛ چنانچہ اس نے کافی مال ودولت خرچ کر کے ان کتابوں کے ترجمے کروائے، وہ خود بھی ایک عالم فاضل انسان تھا۔ [50]

سیف الدولہ اپنے خاص ڈاکٹر عیسی ارنی نفیسی کو تین الگ الگ قسم کے اموال اور ہدایا وتحائف دیا کرتا تھا؛ کیوں کہ وہ ڈاکٹر تین مختلف علوم کا ماہر تھا، ان میں سے ایک سریانی سے عربی زبان میں ترجمہ نگاری بھی تھی۔[51]

فتح بن خاقان نے تو کتابوں کے ترجمے اور ان کی تصنیف وتالیف پر پانی کی طرح پیسے بہائے، وہ شخص کتابوں کی تصنیف وترجمے پر ہر ماہ دو ہزار دینار صرف کیا کرتا تھا، اس نے بہت سی کتابوں کا ترجمہ کروایا، جن میں سے ایک کتاب الصوت بھی تھی، اس کا ترجمہ حنین بن اسحاق نے کیا تھا۔[52]

علی بن عیسی کے پاس ایک شخص ابوعثمان دمشقی رہتا تھا، جس نے اس کے زیر اہتمام بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا۔[53]

اسی طرح عبداللہ بن اسحاق اور ابراہیم بن علی وغیرہ بھی اس حوالے سے معروف تھے۔[54]

حواشی:

1- مقالات شبلی، ج:6،ص:10
2- ہارون الرشید، ج:2،ص:326
3- الفہرست،ص:346
4- مروج الذہب ومعادن الجوہر، ج:3،ص:345-346
5- تراشنا بین ماض وحاضر،ص:20
6-فن الترجمۃ،ص:18
7- حرکۃ الترجمۃ واعلامہا فی العصر العباسی،ص:48
8- فن الترجمۃ،ص:21-22
9- ایضا،ص:22

10- تاریخ الحکماء، ص:154

11- ج:۳،ص:489-493

12- تاریخ الحکماء، ص:154

13- البرامکہ اوران کا عروج وزوال، ص:24

14- ایضا، ص:23

15- ایضا، ص:34

16- ایضا، ص:26، البرامکہ، ص:28

17- ایضا، 39

18- ایضا، ص:41-42

19- ایضا، ص:50

20- ص:57

21- ایضا

22- ایضا، ص:51

23- ایضا

24- البرامکہ، ص:68

25- کتاب الاذکیاء، ص:34

26- البرامکہ اوران کا عروج وزوال، ص:82-83

27- ایضا، ص:83

28- ایضا، ص:85

29- ایضا، ص:86

30- ایضا، ص:89-90

31- من الفلسفۃ الیونانیۃ الی الفلسفۃ الاسلامیۃ، ص:305

32- تاریخ الفسلفۃ الاسلامیۃ، ص:32

33- تاریخ الآداب العربیۃ، ج:2، ص:59

34- مقالات شبلی، ج:6، ص:35

35- بیت الحکمت کی طبی خدمات، ص:97

36- الفہرست، ص:422

37- بیت الحکمت کی طبی خدمات، ص:99

38- تاریخ الحکماء، ص:335

39- الدولۃ العباسیۃ، ص:248

40- کلیلہ ودمنہ اسی کی کتاب ہے اوراس کے بارے میں فلسفہ وطب کی کتابوں کے ترجمے کی روایت مشکوک ہے۔آثار ابن المقفع، ص:12، التراث الیونانی فی الحضارۃ الاسلامیۃ، ص:101-102، تاریخ الفکر العربی الی ایام ابن خلدون، ص:272

41- ایضا

42- مقالاتِ شبلی، ج6، ص:25

43- بیت الحکمت کی طبی خدمات، ص:97

44- مقالات شبلی، ج:6، ص:25

45- بیت الحکمت کی طبی خدمات، ص:97-98

46- مقالات شبلی، ج:6، ص:26

47- بیت الحکمت کی طبی خدمات، ص:89

48- مقالات شبلی، ج:6، ص:26

49- بیت الحکمت کی طبی خدمات، ص:13و98

50- ایضا، ص:98-99

51- ایضا، ص:99

52- ایضا، ص:13

53- ایضا، ص:415

54- تراشنا بین ماض وحاضر، ص:20

باب:8

ممالک، علوم، زبانوں اور مترجمین کی تعداد

یہ عنوان اپنے مشمولات کے تنوع اور وسعت کی وجہ سے بڑا مشکل ہے، ان شہروں اور ملکوں کا احاطہ کرنا دشوار ہے، جہاں کی زبانوں کے علوم کا ترجمہ کیا گیا، اسی طرح عہد عباسی کے تمام ترجمہ نگاروں کا احاطہ بھی مشکل ہے؛ کیوں کہ سوانح نگاروں نے اس حوالے سے نہ تو تفصیلی گفتگو کی ہے اور نہ ہی وضاحت اور تحدید وتعین کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے، پس ان کا یہ کہنا کہ ''عہدِ عباسی میں عراقی مترجمین کی تعداد سو سے زائد تھی''۔[1] ایسے محققین کے لیے تشفی بخش نہیں، جو دقتِ نظر کے ساتھ ان مترجمین کی تحدید وتعیین کے خواہاں ہوں۔ ملکوں اور شہروں کی تعداد کا اندازہ ایک حد تک ہم زبانوں کی تعداد سے لگا سکتے ہیں؛ حالاں کہ اس بارے میں بھی ہم حتمی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ جن زبانوں کے علوم کا ترجمہ کیا گیا، وہ فلاں فلاں تھیں، ہاں بڑی حد تک ہم ملکوں اور شہروں کی تعداد سے اندازہ لگا سکتے ہیں؛ کیوں کہ ہر ملک یا شہر کی علیحدہ زبان ہوتی تھی، پس ہم آغاز زبانوں کی تعداد سے کرتے ہیں:

زبانوں کی تعداد:

میری تحقیق ومعلومات کے مطابق جن زبانوں کے علوم کا عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا، ان میں یونانی، سریانی، سنسکرت، ہندی، افریقی[2] پہلوی، سندھی[3] کلدانی[4] قبطی[5] شامی[6] رومی[7] مجوسی[8] لاطینی[9] قدیم رومی، آرامی[10] اور حبشی[11] کل انیس (19) زبانیں شامل تھیں۔

ملکوں اور شہروں کی تعداد:

اس کی روشنی میں ان ملکوں کی تعیین ایک حد تک آسان ہو جاتی ہے، جن کے علوم وفنون کا عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور وہ ممالک یونان، روم، مصر، عراق، فارس، ہندستان، شام، اسرائیل، حبشہ وغیرہ ہیں۔ مختصر یہ کہ جن ممالک میں مذکورہ بالا زبانوں کا استعمال ہوتا تھا، ان کے علوم وفنون کو عربی میں منتقل کیا گیا۔

علوم کی تعداد:

ان علوم کی بھی حتمی طور پر تعیین وتحدید نہیں کی جا سکتی، جو غیر عربی ممالک سے عرب پہنچے۔ میری تحقیق کے مطابق ان علوم کی تعداد بیس سے زائد ہے: طب، جیومٹری، فلکیات، زراعت[12] سیر وسوانح، تاریخ، عقاقیر، تشریح[13] شعر وشاعری[14] موسیقی، جغرافیہ، حیوانیات[15] ریاضی، ڈاک[16] نجوم، ہیئت، داستان گوئی[17] اخلاقی کہانیاں، سیاست، کھیل[18] طبِ حیوان[19] رمل، کہانت[20] کیمیا، منطق، بلاغت[21] معانی، بیان، جادو[22] اخلاق، فلسفہ، مذہبیات[23] میکانیکل سائنس۔[24]

مترجمین کی تعداد:

عہد عباسی کے ترجمہ نگاروں کی تعیین تو اور بھی مشکل ہے، یقین کے ساتھ ان کی تعیین نہیں کی جا سکتی؛ کیوں کہ صرف بیت الحکمت کے مترجمین کی تعداد 190 سے زائد تھی۔[25] پچھلے صفحات میں عراقی مترجمین کی تعداد کا ذکر آ چکا ہے۔[26] ان کے علاوہ بھی مختلف علاقوں میں بہت سے مترجمین تھے، جن کی تعیین کی بہ ظاہر کوئی سبیل نہیں ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ ان مترجمین کی تعداد پانچ سو سے زائد ہی ہوگی، مترجم منہ زبانوں اور علوم سے بھی ایسا لگتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

آیندہ صفحات میں ان مترجمین کی ایک مختصر فہرست درج کی جا رہی ہے، جو میرے اس خیال کی تائید کرتی ہے۔

حواشی:

1- مقالاتِ شبلی، ج:6،ص:16
2- الفہرست،ص:575
3- مقالاتِ شبلی، ج:6،ص:97
4- تاریخ الطب،ص:191
5- مقالاتِ شبلی، ج:3،ص:13
6- الترجمۃ العربیۃ في الهند قبل الاستقلال،ص:58
7- تاریخ بنی عباس، ج:1،ص:179
8-اصالۃ الحضارۃ العربیۃ،ص:431
9- ایضا
10- ایضا،ص:68
11- العصر العباسی الاول،ص:113
12- ایضا،ص:68
13- العصر العباسی الاول،ص:113
14- تاریخ العلوم عند العرب،ص:265
15- معالم تاریخ العصور الوسطیٰ،ص:58
16- العلاقات الهندیۃ العربیۃ،ص:163
17- ایضا،ص:181
18- ایضا،ص:152
19- مقالاتِ شبلی، ج:3،ص:11
20- العصر العباسی الاول،ص:113
21- العلاقات الهندیۃ العربیۃ،ص:113
22- مقالاتِ شبلی، ج:3،ص:11
23- ایضا،ص:62
24- بیت الحکمت کی طبی خدمات،ص:73
25- تاریخ الادب الفارسی،ص:107
26- تاریخ الادب العربی، ج:3،ص:102

باب:9

ترجمہ نگاروں کی فہرست

فارسی (سے عربی) کے مترجمین:

(1) عبداللہ بن المقفع

(2) فضل بن نوبخت

(3) ابوسہل اسماعیل بن نوبخت

(4) ابراہیم بن حبیب الفزاری

(5) محمد بن ابراہیم بن حبیب الفزاری[1]

(6) حسن بن موسی

(7) حسن بن سہل

(8) موسی بن خالد

(9) یوسف بن خالد

(10) ابوالحسن علی بن زیاد تمیمی

(11) احمد بن یحیٰ بلاذری

(12) جبلہ بن سالم

(13) اسحاق بن یزید

(14) محمد بن جہم برمکی

(15) ہشام بن قاسم اصفہانی

(16) موسی بن عیسی کردی

(17) زادویہ بن شاہویہ اصفہانی

(18) بہرام بن مروان شاہ[2]

(19) محمد بن بہرام بن مہیار اصفہانی

(20) عمر بن فرخان طبری

(21) عبداللہ بن علی

(22) سہل بن ہارون

(23) سعید بن ہارون

(24) اسحاق بن علی بن سلیمان

(25) عبداللہ بن ہلال اہوازی

(26) ابوالعباس دمیری محمد بن خلف بن مرزبان[3]

(27) عیسی بن چہار بخت

(28) یوسف الناقل[4]

(29) نو بخت نجومی

(30) علی بن عبیدہ ریحانی

(31) بہرام عروی مجوسی[5]

(32) سلم[6]

سریانی (سے عربی) زبان کے مترجمین:

(1) ماسرجیش یہودی

(2) عیسی بن ماسرجیش

(3) شہدی کرخی

(4) ابن شہدی کرخی

(5) ایوب رہاوی

(6)یوحنا بن بختیشوع

(7)منصور بن ہاناس

(8)مرلاحی

(9)داریشوع

(10)ایوب بن قاسم الرقی

(11)اورمتی بن یونس وغیرہ[7]

سنسکرت (سے عربی) کے مترجمین:

(1)منکہ

(2)کنکہ

(3)ابن دہن

(4)اسماعیل تنوخی

(5)صالح بن بہلہ ہندی

(6)بازیگر ہندی[8]

(7)گودر[9]

(8)صنجل ہندی[10]

(9)قلبرقل

(10)سندباد[11]

(11)کلب رائے

(12)بجگر

(13)باکھر رائے کپل[12]

(14)جیاری

(15)نوکشل[13]

(16)شاناق

(17)اورروبان وغیرہ

یونانی اورلاطینی زبان کے مترجمین:

(1)اصطفن

(2)بطریق

(3)یحی بن بطریق

(4)حجاج بن مطر

(5)عبدالمسیح بن ناعمہ حمصی

(6)سلاابرش

(7)حبیب بن بہریز

(8)زردیابن ماتجوہ حمصی

(9)ہلال بن ابوہلال حمصی

(10)فیثون

(11) تذاری

(12)ابونصر بن اوی بن ایوب

(13)بسیل

(14)ابونوح بن صلت

(15)اسطاث

(16)جیرن بن رابطہ

(17)موسیٰ خالد

(18)تیوفیلی

(19)شملی

(20)عیسی بن نوح

(21)ابراہیم قویری

(22)تذرس

(23)داریع راہب

(24)ہیابثیون

(25)صلیبا

(26)سمعان

(27)یوحنابن یوسف

(28)قسطابن لوقابعلبکی

(29)حنین بن اسحاق

(30)اسحاق بن حنین

(31)ثابت بن قرہ

(32)حبیش الاعسم

(33)عیسی بن یحی

(34)ابراہیم بن عبداللہط

(35)یحی بن عدی

(36)تفلیسی

(37)عبدیسوع بن بہریز

(38)ابراہیم بن بکس

(39)اورابوسعیدوغیرہ[14]

دوسری زبانوں کے مترجمین:

مزید دوسری زبانوں کے مترجمین کے بارے میں جاننے کے لیے زبانوں کی تعداد

سے رجوع کیا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ دوسری اور کتنی زبانوں سے ترجمے کیے جاتے تھے۔[15]

مختلف زبانوں سے ترجمہ کرنے والوں کی یہ ایک مختصر فہرست ہے، جو بنیادی طور پر میں نے علامہ شبلی نعمانی کی کتاب سے حاصل کی ہے، اپنی طرف سے کچھ اضافہ بھی کیا ہے، مگر یہ نام بھی کافی نہیں ہیں، بہت سے مزید مترجمین کے نام ہیں، جو میں نے ذکر نہیں کیے، ان کا تذکرہ ابن الندیم کی ''الفہرست'' میں دیکھا جاسکتا ہے۔[16]

حواشی

1- ایضا،ص:104

2- تاریخ الادب الفارسي،ص:108

3- ایضا،ص:131

4- بیت الحکمت کی طبی خدمات،ص:257

5- مقالاتِ شبلی، ج:٦،ص:30

6- ایضا،ص:28

7- ایضا،ص:29

8- رجال السند والہند،ص:83

9- ایضا،ص:93

10- ایضا،ص:659-159

11- الحیاۃ الأدبیۃ في البصرۃ،ص:114

12- رسالہ جامعہ،ج:70،ش:1،ص:41

13-ایضا،ص:43

14-مقالاتِ شبلی، ج:6،ص:31-34

15-ایضا،ص:35

16-الفہرست،ص:707-573

باب:10

ترجمہ نگار کی ذمے داریاں اور عہدِ عباسی کے مترجمین کے اوصاف

ترجمہ نگاری کا عمل نہایت مشقت آمیز اور محنت طلب ہے، ہر وہ شخص، جسے ادب سے ادنیٰ مس ہو، وہ اس کام کو انجام نہیں دے سکتا؛ کیوں کہ اس کے لیے کئی صفات وخصوصیات سے متصف ہونا ضروری ہے، اگر یہ صفات ایک مترجم کے اندر نہ پائی جائیں، تو نہ صرف یہ کہ وہ بہتر ترجمہ نہیں کرسکتا؛ بلکہ خدشہ ہے کہ وہ اصل متن کے معنی ومفہوم اور صاحبِ متن کی مراد کو مسخ کردے گا۔ایک مترجم کو جن اوصاف سے متصف ہونا چاہیے، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1- یہ کہ وہ شخص مترجم منہ اور مترجم الیہ دونوں زبانوں کا وسیع علم رکھتا ہو۔[1] اس نقطۂ نظر سے جب ہم عہدِ عباسی کے مترجمین کو دیکھتے ہیں، تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ وہ زبان کے ماہر تھے، جیسا کہ حنین بن اسحاق کے حوالے سے مروی ہے کہ:

''وہ عربی وسریانی زبانوں کا ماہر اور فصیح اللسان تھا''۔[2]

شبلی نعمانی حنین اور حبیش کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''وہ دونوں یونانی وسریانی زبانوں کے ماہر تھے''۔[3]

رومی کتابوں کے اس کے تراجم کے بارے میں ڈاکٹر شوقی ضیف لکھتے ہیں:

''ہارون رشید نے اسے انقرہ وعموریہ اور مملکتِ روم سے حاصل شدہ قدیم طبی کتابوں کے ترجمے کی ذمے داری سونپی، امین نے بھی اسے ترجمہ نگاری پر مامور رکھا اور اس نے دربار میں ایسے ماہر اہلِ قلم جمع کئے، جو اس کے زیرِ نگرانی ترجمہ وتالیف کا کام کرتے تھے''۔[4]

ہنری لوئس ان تراجم کے بارے میں کہتا ہے:

''عصرِ عباسی کے وہ ترجمے نہایت خوب صورت ہیں''۔[5]

2-دوسرا یہ کہ ترجمہ نگار جس موضوع سے متعلق تحریر کا ترجمہ کرنا چاہتا ہے، اس کو سمجھنے، اس کی تشریح کرنے پر قادر ہو یا کم سے کم اس سے متعلق ضروری معلومات اس کے پاس پہلے سے ہوں۔[6] کیوں کہ اس سے ترجمہ کرنے اور اسے بہتر بنانے میں مدد ملتی ہے۔اس جہت سے بھی عہدِ عباسی کے مترجمین باکمال تھے۔ڈاکٹر توفیق الطویل کہتے ہیں:

''(عہدِ عباسی کے مترجمین) نہ صرف مترجم منہ اور مترجم الیہ زبانوں میں مہارت رکھتے تھے؛ بلکہ جن موضوعات کا وہ ترجمہ کرتے تھے، ان سے بھی واقف ہوتے تھے''۔[7]

3-جس کتاب کا ترجمہ کرنا ہے، اس کا اصل اور اولین نسخہ تلاش کرے؛ کیوں کہ کتابوں کے مختلف نسخوں میں مختلف قسم کی تصحیف وترمیم ایک عام بات ہے اور کاتبوں کی غلطیاں بھی عام ہیں؛لہذا اصل نسخے کا حصول ضروری ہے۔عصرِ عباسی کے مترجمین اس پہلو سے بھی بیدار و باخبر تھے۔ڈاکٹر توفیق لکھتے ہیں:

''ان (مترجمین) میں سے بیشتر دقتِ نظر سے کام لیتے تھے، جو کچھ لکھتے، اس میں علمی امانت ودیانت کا پاس ولحاظ رکھتے تھے؛ چنانچہ عموماً وہ جس کتاب کا ترجمہ کرتے، اس کا اصل نسخہ اور غیر عربی زبان میں اس کے ترجمے کو سامنے رکھتے تھے؛ تاکہ ضرورت پڑنے پر ان کا موازنہ وتقابل کرسکیں''۔[8]

4-یہ بھی ضروری ہے کہ ترجمہ نگار ترجمہ کرنے کے بعد اس پر بار بار اصلاحی نظر ڈالے، اس سے ترجمے کو شستہ وشگفتہ، صاف ستھرا اور خوب صورت بنانے میں مدد ملے گی۔اگر ہم عہدِ عباسی کے مترجمین کو دیکھیں، تو ان کے اندر یہ خوبی بھی بہ درجۂ اتم پائی جاتی تھی۔زیگرید ہونکہ (Sigrid Hunke) ''اصول الہندسۃ'' کے بارے میں رقم طراز ہے:

''اس کا ترجمہ حنین بن اسحاق نے کیا اور تصحیح ثابت بن قرہ نے کی''۔[9]

جبکہ حنین بن اسحاق خود اپنے بارے میں کہتا ہے:

''میں نے جالینوس کی کتاب الفرق کا ترجمہ نوجوانی میں کیا، میرے پاس اس کا ایک گندہ

سا یونانی مخطوطہ تھا، جب میری عمر چالیس سال تھی، تو میرے شاگرد حبیش نے درخواست کی کہ میں اس کی تصحیح کر دوں، اس وقت تک میں یونانی مخطوطات کی ایک بڑی مقدار جمع کر چکا تھا؛ چنانچہ میں نے اسے مرتب کیا، اس کا صحیح نسخہ تیار کیا، سریانی نسخے سے اس کا موازنہ کیا اور اس کی اصلاح کی اور میں نے تمام تر تراجم میں یہی طریقہ کار اپنایا''۔ [10]

5-عہدِ عباسی میں ترجمہ نگاری کا ایک حسن یا کمال یہ بھی تھا کہ ذمے دار حضرات مختلف مترجمین کو ترجمہ کرنے کے لیے ایک ہی کتاب دیتے تھے، پھر جب ترجمہ مکمل ہو جاتا، تو یہ دیکھا جاتا کہ کس کا ترجمہ ظاہری و معنوی اعتبار سے سب سے عمدہ ہے، پھر اسے شائع کیا جاتا تھا، ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ نگاری کے باب میں دقت نظر و اہتمام کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ ابن ندیم نے یحی بن خالد کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس نے مترجمین کو حکم دیا کہ مجسطی کے مختلف تراجم میں سے سب سے عمدہ ترجمے کو منتخب کریں؛ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور مختلف مترجمین کے ذریعے کیے گئے تراجم میں سے سب سے صحیح ترجمہ منتخب کر کے شائع کروایا گیا۔ [11]

ان تفصیلات سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی کے مترجمین نے ترجمہ نگاری کے باب میں کس قدر اہتمام، لگن، بصیرت مندی اور ژرف نگاہی سے کام لیا اور ترجمے کی تحسین و تزئین میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

حواشی

1- کتاب الحیوان، ج:1، ص:55
2- الفہرست، ص:679
3- مقالاتِ شبلی، ج:3، ص:14
4- العصر العباسی الاول، ص:112
5- مقالاتِ شبلی، ج:3، ص:18
6- فن الترجمۃ، ص:55
7- فی تراثنا العربی والاسلامی، ص:76
8- ایضا
9- شمس العرب تسطع علی الغرب، ص:109
10- تاریخ الطب فی الدولۃ الاسلامیۃ، ص:65
11- مقالاتِ شبلی، ج:6، ص:23

باب:11

عہدِ عباسی کے تراجم کی اقسام

عہدِ عباسی میں ترجمے کی تمام قسمیں پائی جاتی تھیں؛ چنانچہ اس زمانے میں لفظی ترجمے بھی کیے گئے، ادبی ترجمے بھی، کوئی تشریحی ترجمہ کرتا تھا، تو کوئی تحلیلی وتجزیاتی ترجمہ کرتا تھا۔ میری تحقیق کے مطابق اس عہد میں بارہ قسم کے ترجمے کیے گئے:

1-لفظی ترجمہ

2-ادبی ترجمہ

3-آزادترجمہ

4-تلخیصی ترجمہ

5-تشریحی ترجمہ

6-فی البدیہہ ترجمہ

7-استفادی ترجمہ

8-تجزیاتی ترجمہ

9-تطبیعی ترجمہ

10-جامع ترجمہ

11-ترجمانی

12-ترجمۂ کاذبہ

ذیل میں ان تمام اقسام کی مختصراً وضاحت پیش کی جاتی ہے:

1-لفظی ترجمہ:

یہ ہے کہ متن کے ہر لفظ کے بالمقابل اس کا ترجمہ کیا جائے اور کسی قسم کے نظم و ترتیب پر توجہ نہ دی جائے۔[1] یوحنا بن بطریق اور عبد المسیح بن ناعمہ حمصی وغیرہ کا طریقہ یہی تھا۔[2] حالاں کہ اس قسم کے ترجمے میں بہ وجوہ بہت سی خامیاں ہوتی ہیں۔[3] مثلاً:

1-اس صورت میں جملے کے اجزا میں باہمی ربط کا فقدان ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے نہ صرف جملوں کا مفہوم بگڑ جاتا؛ بلکہ بسا اوقات بالکل الٹ جاتا ہے۔

2-کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مترجم الیہ زبان میں مترجمہ منہ زبان کے لفظ کا مترادف نہیں ہوتا، تو اس صورت میں ترجمہ نگار ترجمے میں بھی متن کا لفظ بعینہ رکھ دیتا ہے۔

3-متن میں استعمال ہونے والے مجاز اور تشبیہات کا لفظی ترجمہ نہیں کیا جاتا؛ بلکہ ان کے معنی و مفہوم کو ادا کرنے سے بات واضح ہوتی ہے، چاہے اس کے لیے زیادہ الفاظ استعمال کرنا پڑیں یا کم۔

4-ہر زبان کے لکھنے والے کا اسلوبِ بیان و طرزِ تحریر مختلف ہوتا ہے؛ چنانچہ ایک عربی النسل اہلِ قلم کا طرزِ تحریر ہندستانی مصنف سے مختلف ہوتا ہے؛ لہٰذا ایک زبان کی کتاب میں دوسری زبان کا طرزِ تحریر اختیار کرنا واضح طور پر غلط اور لغو ہوگا۔

2-ادبی ترجمہ:

اس کو معنی خیز ترجمہ بھی کہتے ہیں۔ یہ ایسا ترجمہ ہے، جس میں مترجم متن کے الفاظ کو ذہن میں رکھ کر ان کے معنی کی ادائیگی کا اہتمام کرتا ہے، اس سلسلے میں وہ یہ نہیں دیکھتا کہ ترجمے کے الفاظ متن سے کم رہ گئے یا زیادہ ہو گئے۔ اس کے پیشِ نظر متن کے معنی کی ادائیگی ہوتی ہے، چاہے جیسے بھی ہو۔ اس ترجمے میں ترجمہ نگار مترجم الیہ زبان کے اسلوب کو پیش نظر رکھتا ہے، ترجمے کی یہ قسم نہایت عمدہ ہے۔ ڈاکٹر عمر فروخ اس کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''وہ (معنی خیز ترجمہ) یہ ہے کہ ترجمہ نگار متن کو پڑھے، اس کے معنی کو اپنے ذہن میں مستحضر کرے، پھر اسے دوسری زبان میں اس طرح منتقل کرے کہ وہ معنوی طور پر متن کے مطابق ہو، اس سے قطع نظر کہ ترجمے کے الفاظ متن کے الفاظ کے برابر ہوں، اس سے کم ہوں یا زیادہ ہوں''۔[4]

البتہ اس قسم کا ترجمہ کرتے ہوئے ان باتوں کا دھیان رکھنا ضروری ہے کہ:

1- ہم اصل متن سے تجاوز نہ کریں، ہمیں ترجمے میں اس حد تک متن کا خیال رکھنا چاہیے کہ معناً ترجمے اور متن میں اختلاف نہ واقع ہو۔

2- ہماری کوشش یہ بھی ہونی چاہیے کہ ترجمے میں ایسے خصائص واوصاف پیدا کریں، جن سے متن متصف ہے؛ کیوں کہ ترجمہ کوئی کارِ عبث نہیں ہے؛ بلکہ یہ وسیع تر مفہوم میں دو تہذیبوں کے درمیان پل کی حیثیت رکھتا ہے۔[5]

3- ترجمے میں ہمیں اس حد تک اختصار یا طول نگاری سے کام نہیں لینا چاہیے کہ ہم صاحبِ متن کے مراد ومفہوم سے بھٹک جائیں۔

3- آزاد ترجمہ:

عہدِ عباسی میں ترجمے کی ایک تیسری قسم بھی رائج تھی، جسے آزاد ترجمہ کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ترجمہ نگار پہلے متن کو پڑھے، پھر حروف والفاظ کی تعداد کی رعایت کیے بغیر اس کے مفہوم کو دوسری زبان میں منتقل کردے۔ اس ترجمے میں قاری کے لیے بعض مشکل مقامات کی توضیح ضروری ہوتی ہے، مگر یہ کام ترجمے کے اندر ہی ہونا چاہیے، الگ سے تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔ یعنی ترجمہ بذاتِ خود اتنا واضح ہو کہ قاری کو سمجھنے میں کوئی مشکل نہ پیش آئے۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

''مامون ایسے لوگوں کو تلاش کرتا تھا، جنھیں متعلقہ موضوع میں یدِ طولیٰ حاصل ہو؛ تا کہ وہ ترجمے میں ہی متن کے مشکل مقامات کی وضاحت کرتے جائیں۔ حنین بن اسحاق اور یعقوب کندی ایسے ہی مترجم تھے''۔[6]

4- تلخیصی ترجمہ:

اس کا طریقہ یہ ہے کہ ترجمہ نگار متن کا ایک جملہ پڑھے، پھر اس کے الفاظ کو سامنے رکھے بغیر اس کے معنی و مفہوم کو مختصر لفظوں میں اس طرح ادا کرے کہ اصل کی تلخیص تیار ہو جائے۔ اس قسم کے ترجمے کو ''ترجمۂ انتزاعی'' بھی کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر عمر فروخ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

> ''بعض کتابیں ان کے مترجمین کی جانب منسوب کی جاتی ہیں (چاہے انھیں تراجم قرار دیا جائے یا تالیف) حالاں کہ بہتر یہ ہے کہ مترجمین کے تمام کاموں کو اسی حیثیت سے دیکھیں کہ وہ تراجم ہیں، جن مترجمین نے کسی کتاب کے بارے میں یہ کہا یا لکھا ہے کہ وہ ان کی تالیف ہے، وہ دراصل ان کتابوں کے ماخوذات ہیں، جن کا انھوں نے ترجمہ کیا تھا''۔ [7]

یہ بھی تلخیصی ترجمے ہی کی ایک دوسری صورت ہے۔

5- تشریحی ترجمہ:

یہ ہے کہ مترجم متن کو پڑھے، پھر جہاں ضرورت ہو، اس کی توضیح کرے۔ ایسا کرتے ہوئے وہ بعض مقامات پر اپنی طرف سے الفاظ و معانی کا اضافہ کرتا ہے، جبکہ بعض دوسرے مقامات پر کچھ الفاظ کو حذف کر دیتا ہے؛ تاکہ عبارت قاری کے لیے واضح، سہل الفہم اور شفاف ہو جائے۔ جرمن مستشرقہ زیگرید ہونکہ (Sigrid Hunke) کا کہنا ہے:

> ''حنین علوم وفنون کے تمام شعبوں میں درک رکھتا تھا، جس موضوع کا ترجمہ کرتا، اس میں وہ سربرآوردہ تھا، متن کے جن مقامات میں غموض وخفا اور مشکل ہوتی، اسے دور کرتا اور عبارت کے معنی و مفہوم کو روشن کر دیتا اور اسے ایک خوب صورت لباس میں پیش کر دیتا تھا''۔ [8]

6- فی البدیہہ (فوری) ترجمہ:

فی البدیہہ یا فوری ترجمہ یہ ہے کہ مترجم متن کا ایک حصہ پڑھے، پھر فوراً زبانی اس کا

ترجمہ کرے، اس قسم کا ترجمہ نہایت مشکل کام ہے اور یہ وہی شخص کرسکتا ہے، جو مترجم الیہ و مترجم منہ زبانوں میں مہارت رکھنے کے ساتھ اس قسم کے ترجمے میں تربیت یافتہ بھی ہو۔ عہدِ عباسی میں ایسے مترجمین بھی تھے، جو فوری و فی البدیہہ ترجمہ کیا کرتے تھے۔ زیگرڈ ہونکہ رقم طراز ہے:

> ''154ھ میں ابوجعفر منصور کے پاس ہندوستان کا ایک وفد آیا، جس میں ایک ایسا شخص بھی تھا، جو ستاروں کی چالوں، اس کے حساب اور اپنے مذہب کے اہلِ علم کے مابین فلکیات کا سب سے زیادہ علم رکھتا تھا، خصوصاً ''برہماس سدھانت'' نامی کتاب کا سب سے بڑا عالم تھا، یہ کتاب برہمگپت نامی ریاضیات وفلکیات کے ماہر شخص نے 628ء میں لکھی تھی؛ چنانچہ ابوجعفر نے اس ہندوستانی کو اس کتاب کا خلاصہ املا کروانے پر مامور کیا تھا''۔[9]

زبانی یا فوری ترجمہ کی نوعیت بھی ایسی ہی ہوتی ہے۔

7- استفادی ترجمہ:

یہ ہے کہ ترجمہ نگار اصل متن کو سامنے رکھے، پھر اس کی روشنی میں ایک دوسری کتاب تیار کرلے، اس عمل کو ہم ''اختیاری ترجمہ'' بھی کہہ سکتے ہیں؛ کیوں کہ اس میں مترجم متن کے مختلف نصوص کو منتخب کرتا ہے اور ان کے ذریعے اپنے نام سے ایک مستقل کتاب تیار کرلیتا ہے۔ عہدِ عباسی میں اس قسم کا ترجمہ بھی عام تھا۔ ڈاکٹر احمد امین لکھتے ہیں:

> ''جو ہم نے ذکر کیا، اس کے علاوہ فارسیوں کا ادب میں بڑا اثر ورسوخ تھا؛ کیوں کہ ان کے قصے کہانیوں کی کتابیں مثلاً کلیلہ ودمنہ اور ہزار افسانہ فارسی سے عربی میں منتقل ہوئی تھیں اور وہی ہمارے عربی افسانے اور عربی قصوں وکہانیوں کی بنیاد ثابت ہوئیں؛ چنانچہ ابن ندیم روایت کرتے ہیں کہ محمد بن عبدوس الجہشیاری صاحب کتاب الوزراء نے ایک کتاب کی تالیف شروع کی، جس میں انھوں نے عرب وعجم وروم وغیرہ کی ہزار کہانیاں جمع کیں، اس کتاب کا ہر جز دوسرے سے علیحدہ تھا، اس نے سیاحوں سے ملاقاتیں کیں اور ان سے واقعات وحکایات حاصل کیے، کہانیوں اور خرافات کی

مطبوعہ کتابوں سے عمدہ کہانیاں اخذ کیں، وہ خود بھی ایک عالم فاضل انسان تھا، اس طرح اس نے چار سواسی راتیں جمع کر لی تھیں، ہر رات کے لیے ایک کہانی تھی اور ہر کہانی کم و بیش پچاس صفحات پر مشتمل تھی، مگر اسی دوران اس کا انتقال ہو گیا اور ہزار کہانیاں جمع نہ کر سکا"۔ [10]

8-تحلیلی ترجمہ:

تحلیلی ترجمہ یہ ہے کہ مترجم پہلے متن کا ترجمہ کرے، پھر اس کا اس طرح تجزیہ کرے کہ اس کے معانی و مشکلات واضح ہو جائیں، کوئی پیچیدگی باقی نہ رہے۔ اس قسم کے مترجمین میں فلسفیِ اسلام یعقوب الکندی ہیں، شبلی نعمانی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وہ یونانی، فارسی اور سنسکرت زبانوں میں یکساں مہارت رکھتے تھے، انھوں نے فلسفے کی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا اور ان کے مشکل مقامات کی توضیح و تحلیل بھی کی"۔ [11]

9-ترجمانی:

اس کی شکل یہ ہے کہ مترجم اصل متن کو ایسے قالب میں ڈھال دے کہ کسی کو یہ احساس نہ ہو کہ وہ ترجمہ ہے، اس قسم کے ترجمے میں حنین بن اسحاق ماہر تھا۔ زیگرید ہونکہ کی روایت ہے:

"ترجمہ کے میدان میں بھی حنین نے مجد و شرف کا راستہ اختیار کیا، یہاں تک کہ وہ سب پر فائق ہو گیا، فرزندانِ موسیٰ اس نوجوان کی تحسین کرتے اور اس کی صلاحیتوں کی قدر کرتے تھے، یہ ایسا واحد نوجوان تھا، جس پر اعتماد کیا جا سکتا تھا، وہ اپنے ترجمے میں محض ایک زبان کے لفظ کو دوسری زبان کے لفظ سے بدلتا نہیں تھا؛ بلکہ فن کاری، دقتِ نظر اور توضیح و تشریح کے ساتھ اسے معانی کے ایک خوب صورت سانچے میں ڈھال دیتا تھا"۔ [12]

10-جامع ترجمہ:

یہ ہے کہ مترجم ایک کتاب کے متعدد نسخے حاصل کرے، پھر ان کا موازنہ و تقابل کر کے ایک کامل نسخہ تیار کرے، پھر اس میں ان مقامات کی نشان دہی کرے، جو دوسرے

نسخوں میں مختلف ہیں اور اس کے بعد متن کا اپنی زبان میں ترجمہ کرے۔اس قسم کے ترجمہ کو ''اعدادی ترجمہ'' بھی کہہ سکتے ہیں۔کارل بروکلمان، بہرام بن مروان شاہ اور موسیٰ بن عیسی کسروی کے بارے میں کہتا ہے:

''انھوں نے ''خدای نامہ'' کے متعدد نسخے حاصل کیے، پھر اپنی تنقید وترجیح کے مطابق اس کا ایک آزاد نسخہ تیار کیا، البتہ اصل کتاب کے متن کو بھی تغییر وترمیم کے ساتھ شامل کتاب کرتے ہوئے اس میں بہت سے دوسرے فارسی مصادر کا بھی اضافہ کیا''۔[13]

11-تعریب:

تعریب (عربیانا) تہنید (ہندِ یانا) یا تفریس (فارسیانا) بھی ترجمے کی ایک قسم ہے، اس میں مترجم متن کے کلمات کو عربی یا ہندی یا فارسی کے قالب میں ڈھال دیتا ہے، یہ اس لیے کیا جاتا ہے؛ تاکہ قاری کے لیے اس کا پڑھنا، تلفظ کرنا آسان ہو اور یہ بھی ایک پسندیدہ عمل ہے۔یہ لغت کی کتابوں کے تراجم میں عام اور رائج ہے۔الترجمۃ العملیۃ کے مصنف لکھتے ہیں:

''تعریب (عربیانا) ایک ایسا عمل ہے، جس سے زندہ زبانوں میں ترجمے کے عمل کے دوران مفر نہیں ہے، اس سے کسی زبان کی اہمیت کم نہیں ہوتی؛ بلکہ یہ مختلف زبانوں میں ایک رائج اور عام عمل ہے''۔[14]

ڈاکٹر حامد طاہر لکھتے ہیں:

''کسی لفظ یا عبارت کو جوں کا توں رکھنا، اس کے مشکل ہونے کی طرف اشارہ کرنا اور اس کے ساتھ عربی زبان کا لفظ استعمال کرنا، جسے مترجم مناسب سمجھتا ہو، کوئی عیب کی بات نہیں ہے''۔[15]

یہ عمل اسما کے ساتھ مختلف قسم کے الفاظ میں ہوسکتا ہے، احمد امین حنین کے بارے میں لکھتے ہیں:

''وہ بہ حالتِ مجبوری بعض علمی اصطلاحات کو بعینہ استعمال کرتا تھا، جیسے: غماطیقیین، فیسولوغیا اور بطلوغیہ وغیرہ''۔[16]

12- ترجمۂ کاذبہ:

اس نوع کا ترجمہ کوئی ایسی خوبی نہیں رکھتا کہ جس کی وجہ سے اسے قابل تعریف قرار دیا جائے، یہ کثرتِ ترجمہ نگاری اور اس کے مادی منافع کا نتیجہ تھا۔ جب مترجمین نے دیکھا کہ خلفا وارباب حکومت اس عمل کا غیر معمولی اہتمام کرتے اور مترجمین کی خوب حوصلہ افزائی کرتے ہیں ،تو انھوں نے کسی کتاب کی ایک فصل کا ترجمہ کیا اور اسے مستقل کتاب کا نام دے دیا یا اس میں کچھ تبدیلی کردی اور اسے پہلے سے مترجم کتاب میں شامل کرکے یہ اعلان کردیا کہ وہ اس کا ترجمہ ہے یا کسی دوسرے کی تالیف کا ترجمہ کرکے کسی دوسرے شخص سے منسوب کردیا، مثال کے طور پر ''کتاب الروابیع''، جسے افلاطون سے منسوب کیا گیا اور ''کتاب التفاحۃ''، ''کتاب الربوبیۃ'' اور ''کتاب الایضاح فی الخیر المحض''، ''کتاب سر الاسرار'' یہ سب ارسطو کی طرف منسوب ہیں؛ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ اول الذکر کتاب کا مصنف غیر معلوم ہے، دوسری کتاب افلاطون کی ''فیدون'' کا ترجمہ ہوسکتی ہے، تیسری کتاب افلاطون کی ''تاسوعات'' کے اقتباسات پر مشتمل ہے، چوتھی کتاب پروقلس کی ''کتاب الالہیات'' کے اقتباسات کا مجموعہ ہے اور پانچویں کتاب ''سر الاسرار'' بھی کسی نامعلوم مصنف کی ہے۔[17]

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسی حرکت کرنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے، یہ تو ایک قسم کا سرقہ یا علمی خیانت ہے، اس کے پس پردہ کیا اسباب تھے؟ میرے حساب سے اس کے تین اسباب تھے:

1- مال و منال کا حصول:

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ چوں کہ عباسی خلفا اور امرا و اربابِ حکومت ترجمہ وتصنیف وتالیف کے کاموں پر بے حساب مال خرچ کرتے اور مترجمین ومؤلفین کو خوب نوازتے تھے؛ اس لیے کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو صاحبِ تالیف بنانے کے لیے کسی کتاب کی ایک فصل کا ترجمہ کرکے اسے مستقل کتاب قرار دے دیا۔ ڈاکٹر عمر فروخ لکھتے ہیں:

''ترجمہ نگاروں کے دل میں اس کے ذریعے مال بنانے کی ہوس پیدا ہوگئی؛ چنانچہ وہ کسی کتاب کی ایک فصل کا ترجمہ کرتے اور اسے مستقل کتاب قرار دے دیتے یا پہلے سے ترجمہ شدہ کسی کتاب میں معمولی ردوبدل کر دیتے اور یہ کہتے کہ یہ نیا ترجمہ ہے یا کسی دوسرے کی کتاب کو کسی اور سے منسوب کر دیتے، جیسا کہ انھوں نے ''اوتھولوجیا'' نامی کتاب کے ساتھ کیا کہ وہ افلاطون کی ایک کتاب سے ماخوذ تھی، مگر اسے ارسطو کی طرف منسوب کر دیا گیا''۔[18]

2- بڑے بڑے لوگوں کی کتابیں جمع کر کے اس پر فخر کرنے کی نفسیات:

بہت سے اہلِ علم ایسے تھے، جو اس پر فخر کیا کرتے تھے کہ ان کے پاس بڑے بڑے فلاسفہ و مفکرین کی ایسی کتابیں ہیں، جو دوسروں کے پاس نہیں ہیں اور اسی شوق میں وہ کسی کی کتاب کسی اور سے منسوب کر دیتے یا کسی کتاب کے اقتباسات کو کسی دوسری مستقل کتاب کی شکل میں پیش کر دیتے تھے۔[19]

3- غلطی سے کسی کی تالیف کسی اور سے منسوب کر دینا:

بعض اہلِ علم نے نادانستہ طور پر کسی دوسرے کی تالیف کسی اور سے منسوب کر دی۔ انھیں بعض مخطوطات ملے، جن پر مؤلف کا نام نہیں تھا، تو انھوں نے سوچا کہ جو مصنفین متعلقہ موضوع پر زیادہ لکھتے ہیں، انہی کی طرف اس مخطوطے کو منسوب کر دیا جائے؛ حالاں کہ یہ صحیح نہیں تھا۔[20]

ان باتوں سے کسی کو یہ وہم نہیں ہونا چاہیے کہ عہدِ عباسی میں کیے گئے تراجم غیر معتبر ہیں اور ان کی نسبت متعلقہ ترجمہ نگاروں یا مؤلفین کی طرف مشکوک ہے؛ کیوں کہ عموماً وہ مترجمین کسی کتاب کا ترجمہ کرنے سے پہلے تحقیق کرتے تھے کہ اس کا مصنف کون ہے، جب یقینی طور پر معلوم ہو جاتا، تبھی اس کا ترجمہ کرتے تھے۔ ان کی تحقیق و تنقید کے ذرائع یہ تھے:

1- مستقل مطالعہ و تحقیق کی وجہ سے ان کے ذہن میں پرانے مصنفین کا اسلوبِ تحریر جاگزیں ہوتا تھا؛ چنانچہ جب کسی مصنف سے منسوب کوئی نئی یا غیر مشہور کتاب ان کے

سامنے آتی، تو وہ اس کتاب کے اسلوب کا مؤلف کے معروف اسلوب سے موازنہ کرتے، اگر دونوں کا اسلوب مل جاتا، تو اس کتاب کی اس مؤلف کی طرف نسبت کی توثیق کرتے اور اگر دونوں کا اسلوب میل نہیں کھاتا، تو اس کتاب کی نسبت اس کی طرف غلط قرار دیتے، مثال کے طور پر حنین بن اسحاق کے پاس جب ''الکبیر فی النبض'' نامی کتاب آئی اور کہا گیا کہ یہ جالینوس کی کتاب ہے، تو اس نے جالینوس کے متعارف اسلوب اور اس کی علمی سطح اور اس کتاب کے اسلوب کے درمیان تقابل کیا، تو اسے دونوں کے درمیان تفاوت نظر آیا؛ لہذا اس نے کہا کہ جالینوس کی طرف اس کتاب کی نسبت غلط ہے۔[21]

2- اسی طرح وہ لوگ یہ بھی دیکھتے تھے کہ کتاب میں پیش کردہ افکار مبینہ مؤلف کے متعارف افکار سے میل کھاتے ہیں یا نہیں، اگر دونوں میں یکسانیت ہوتی، تو تصدیق کر دیتے، ورنہ اس نسبت کو غلط قرار دیتے، مثال کے طور پر ''التفاحۃ''، ''الربوبیۃ''، اور ''الایضاح'' میں جو افکار پیش کیے گئے ہیں، وہ ارسطو کے متعارف و مشہور افکار سے مطابقت نہیں رکھتے؛ لہذا یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کتابوں کی ارسطو کی طرف نسبت غلط ہے۔[22]

3- ایک طریقہ ان کا یہ بھی تھا کہ ایک کتاب کے کئی نسخے جمع کرتے، پھر ان کے درمیان موازنہ کرتے، اگر اس موازنے میں تمام نسخے ایک دوسرے کی تائید کرتے، تو وہ بھی کتاب کی نسبت کسی مؤلف کی طرف صحیح ٹھہراتے اور اگر ان نسخوں میں تفاوت ہوتا، تو وہ بھی اس کتاب کی نسبت اس کی طرف غلط قرار دیتے اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ مختلف نسخوں میں اتحاد یا اختلاف مؤلف کے اتحاد یا اختلاف پر دلالت کرتا ہے؛ کیوں کہ اگر کسی کتاب کا مؤلف ایک متعین شخص ہے، تو اس کے بھلے ہی ہزار نسخے ہوں، سب میں یکسانیت ہوگی؛ لیکن اگر معاملہ گڑبڑ ہو، تو پھر ان نسخوں میں بھی اختلاف ہوگا اور اسی سے اندازہ لگایا جاسکے گا کہ کسی کتاب کی نسبت کسی مؤلف کی طرف کس حد تک درست یا نادرست ہے۔[23]

حواشی

1- تاریخ العلوم عند العرب، ص:115
2- ایضا
3- ایضا
4- ایضا
5- ندوۃ الترجمۃ والتنمیۃ الثقافیۃ، ص:12
6- مقالاتِ شبلی، ج:6، ص:16
7- تاریخ العلوم عند العرب، ص:116
8- شمس العرب تسطع علی الغرب، ص:383
9- ایضا، ص:104
10- ضحیٰ الاسلام، ج:1، ص:178
11- مقالاتِ شبلی، ج:6، ص:16
12- شمس العرب تسطع علی الغرب، ص:383
13- تاریخ الادب العربی، ج:3، ص:201
14- الترجمۃ العملیۃ، ص:26
15- الدوائر المتداخلۃ، ص:61
16- ضحیٰ الاسلام، ج1، ص:282
17- من الفلسفۃ الیونانیۃ الی الفلسفۃ الاسلامیۃ، ص:322-320
18- تاریخ العلوم عند العرب، ص:120
19- من الفلسفۃ الیونانیۃ الی الفلسفۃ الاسلامیۃ، ص:323
20- ایضا، ص:324
21- ایضا، ص:327
22- ایضا، ص:327-329
23- من الفلسفۃ الیونانیۃ الی الفلسفۃ الاسلامیۃ، ص:326

باب:12

ترجمہ کے نتائج

جب دو ثقافتوں کا ایک دوسرے سے ملاپ ہوتا ہے، تو ایک کا دوسرے سے متاثر ہونا ایک فطری امر ہے؛ چنانچہ جب عربوں کا مختلف اقوام وملل اور ملکوں کی فتوحات کی وجہ سے دنیا کی مختلف الافکار؛ بلکہ بسا اوقات ایک دوسرے کی ضد قوموں سے اختلاط ہوا، تو وہ فکری و نظریاتی سطح پر ان کے لیے مؤثر ثابت ہونے کے ساتھ ان سے متاثر بھی ہوئے۔[1] پھر ان غیر عرب قوموں کے افکار ونظریات عربوں کے رگ وپے میں اس طرح پیوست ہو گئے اور انہیں اس طرح اسلامی سانچے میں ڈھال لیا گیا کہ بعد میں انھیں عربوں سے الگ کرنا مشکل ہو گیا۔ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں:

> ''یہ تمام ثقافتیں مختلف پیمانوں پر اسلامی ثقافت میں مل گئیں، اس پر اثر ڈالا، عربوں نے انھیں ہضم کر لیا، ان کو اپنا لیا، حتیٰ کہ عہدِ عباسی میں یہ ثقافتیں باقاعدہ عربی اسلامی ثقافت کے روپ میں ڈھل گئیں اور اپنی اصلی شکل وصورت سے اس حد تک دور ہو گئیں کہ انھیں خالص اسلامی ثقافت کہا جا سکتا تھا''۔[2]

ویسے یہ سب دراصل مختلف شکلوں میں ترجمے کے ذریعے ہوا۔اس سے قبل کہ ہم عربوں پر اثر انگیز ثابت ہونے والی اہم تہذیبوں کا علاحدہ علاحدہ ذکر کریں، اجمالی طور پر اس عمل کے نتائج کا ذکر کر دیتے ہیں:

1- مختلف اقوام وملل کی ثقافتوں، تہذیبوں اور افکار ونظریات سے اختلاط اور عربی

ثقافت کی توسیع۔[3]

2-عربوں کا ان علوم سے آگاہ ہونا، جن کی انھیں ضرورت تھی، جیسے علمِ ریاضیات و طب۔[4]

3-عربوں کو موقع ملا کہ وہ انسانی تہذیب کے فروغ میں اپنا کردار ادا کریں۔

4-عربوں کو پہلے عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان کا علم نہیں تھا، اگر مترجمین ہندستان، فارس اور یونان کے علوم کا عربی زبان میں ترجمہ نہ کرتے، تو وہ نہ ان علوم میں اپنی عبقریت کا اظہار کر پاتے اور نہ انھیں تمام عالمِ انسانیت کے لیے ایک نعمت ثابت کر سکتے تھے اور اگر خود عرب یہ چاہتے کہ ان زبانوں کا علم سیکھیں، پھر ان علوم کو عربی زبان میں منتقل کریں، تو اس پر کم از کم سو سال کا عرصہ بیت جاتا اور اس عرصے میں ممکن ہے کہ عربوں میں ذوقِ علم ہی باقی نہ رہتا یا دوسری معاشی الجھنوں سے دو چار ہو جاتے یا اتنے دنوں تک وہ علوم اور کتابیں ہی محفوظ نہ رہتیں اور برباد ہو جاتیں۔[5]

5-مختلف علوم وفنون کے شعبوں اور عام علمی زندگی میں عربی تہذیب کو فروغ حاصل ہوا۔[6]

6-عربی زبان میں علمی اصطلاحات اور فلسفیانہ تعبیرات کا فروغ ہوا۔[7]

7-عربی ادب نے دو پہلوؤں سے ترقی حاصل کی: ایک تو مختلف اقوام وملل سے اختلاط کی وجہ سے فطری طور پر جو نئے علوم وفنون اور معانی وخصائصِ ادبی عربی زبان وادب میں منتقل ہوئے، اس کی وجہ سے اور دوسرے ادبا کی فنی وتخلیقی کاوشوں کی وجہ سے۔[8]

8-مذہبی ولسانی علوم کی تعریف، تقسیم، منطقی منہج کی تعیین اور براہین ودلائل کی فراہمی میں عجمی واجنبی معیاروں اور پیمانوں سے استفادہ کرنا۔[9]

9-مختلف علوم وفنون کے میدانوں میں عبقری افراد کا ظہور۔ جیسا کہ معلوم ہے کہ جب ترجمے کا دور ختم ہوا اور عربوں میں ہر فن پر قابلِ لحاظ تعداد میں کتابیں اکٹھا ہو گئیں، تو

مسلمانوں نے مختلف شعبوں میں اکتشاف وایجاد اور نئے نئے علمی نتائج پیش کرنا شروع کر دیے۔[10] اور مسلمانوں میں کندی، ابوحیان، رازی وخیام جیسے یگانۂ روزگار افراد پیدا ہوئے، جن کی دنیا بھر میں کوئی نظیر نہیں تھی، مگر ان افراد کا ظہور بنیادی طور پر انہی تراجم کی وجہ سے ہوسکا، جو پہلے مترجمین کے ہاتھوں انجام پا چکے تھے۔[11]

10- کاغذ سازی کے پیشے کا فروغ: کتابوں کے ترجمہ وکتابت کے لیے کاغذوں اور ایسے لوگوں کا ہونا ضروری تھا، جو کتابت کا علم رکھتے ہوں؛ کیوں کہ ایک مترجم کے لیے بہ یک وقت ترجمہ کرنا، پھر اسے صاف کر کے لکھنا مشکل تھا، اگر وہ ایسا کرتا بھی، تو ترجمے کے کام میں غیر معمولی تاخیر ہوتی؛ اسی وجہ سے ایسے لوگ تلاش کیے گئے، جو ان تراجم کو کئی بار لکھتے اور صاف کر کے فائنل کاپی تیار کرتے تھے، جس کی وجہ سے کاغذوں کی بہت زیادہ ضرورت پڑتی اور کاغذ سازی کا کام فروغ پاتا۔[12]

11- قبولِ مذہب میں اخلاصِ نیت: ممکن ہے کہ ابتدائی دور میں بعض افراد نے مال و دولت اور جاہ وتحفظ کے لالچ میں اسلام قبول کیا ہو، مگر جب اسلامی خلافت عہدِ عباسی میں پہنچی، مختلف علوم وفنون کی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا، منطق وفلسفہ اور عقلی علوم کے واسطے سے قرآن وسنت میں غور کرنے کا سلسلہ شروع ہوا، تو بے شمار لوگوں نے علی وجہ البصیرت مذاہبِ عالم پر اسلام کی برتری سے متاثر ہو کر اس مذہب کو اختیار کیا۔[13]

حواشی

1- المجتمع الهندی الاسلامی، ص:34

2- من تاریخ الادب العربی، ج:2، ص:38

3- تاریخ العلوم عند العرب، ص:119

4- ایضا

5- ایضا

6- ایضا، ص119-120

7- ایضا، ص:120

8- ایضا

9- ایضا

10- آثار الاسلامیۃ، ص:247

11- دراسات فی تاریخ العلوم عند العرب، ص:28

12- ایضا

13- ایضا

باب:13

عربوں پر غیر عربی اقوام وملل کے اثرات

عربوں نے مختلف قوموں سے علوم وفنون حاصل کیے، یہاں ہمارا مقصد ان تمام قوموں کی تفصیلات کا ذکر نہیں ہے؛ کیوں کہ تاریخی ریکارڈ میں ان کی تفصیلات موجود بھی نہیں ہیں، البتہ کچھ ایسی قومیں ہیں، جنھوں نے علمی وفکری شعبوں میں عربوں پر غیر معمولی اثر ڈالا اور ان کے اثرات نمایاں رہے، میرے محدود مطالعے کی روشنی میں ایسی تین اقوام تھیں، ہندوستانی، یونانی اور فارسی اور چوتھے نمبر پر آسمانی صحائف تھے، جن کا اختتام قرآن کریم کے نزول کے ساتھ ہوا اور پھر اسلامی دور میں عربوں پر اس کتاب اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا اثر رہا۔

ہندستان

ہندستانی قوم عربوں پر تین طرح سے اثر انداز ہوئی:

1-عربی لغت کا ہندی (ہندستانی) الفاظ وتعبیرات سے مستفید ہونا:

ایسے بہت سے ہندی الفاظ وکلمات ہیں، جو عربی لغت کا حصہ ہیں اور ان میں سے بہت سے اب بھی استعمال ہوتے ہیں، مثلاً: آبنوس، ببغاء، خیزران، فلفل، اہلیج؛ یہ سب ہندستانی الفاظ ہیں، جن کی تعریب کر لی گئی اور عربی زبان میں ان کا استعمال ہونے لگا، اب یہ الفاظ عربی ہی کہلاتے ہیں۔[1]

دوسری طرف عربوں نے ہندستانیوں کے ادبی افکار سے بھی استفادہ کیا، انھوں نے علمِ بلاغت میں بہت سی ہندوستانی آرا کو عربی سانچے میں ڈھال کر اپنالیا، مثال کے طور پر ایک بلاغی اصطلاح ہے ''مقتضی الحال'' یہ خصوصاً ہندستانی ادب سے عربی میں منتقل ہوئی ہے۔ جاحظ کی روایت ہے کہ معمر ابوالاشعث نے کہا: میں نے بہلہ ہندی سے (جس زمانے میں یحیٰ بن خالد نے ہندوستانی اطبا کو دربارِ خلافت میں بلوایا تھا) پوچھا: ہندستانیوں کے یہاں علمِ بلاغت کی تعریف اور اصول وقواعد کیا ہیں؟ تو اس نے کہا: ہمارے یہاں اس موضوع پر ایک کتاب ہے، جس کا میں آپ کے لیے بہتر ترجمہ اور اس موضوع کی کماحقہ تشریح اور اس کے خصائص و لطائف کی تلخیص نہیں کرسکتا۔ ابوالاشعث کہتے ہیں: بعد میں جب مجھے اس کتاب کا ترجمہ ملا، تو میں نے دیکھا کہ اس میں بلاغت کے اصول ومبادی اور اس کے ضروری وسائل کا ذکر تھا، اس میں لکھا تھا کہ ایک بلیغ خطیب کے لیے جرأت مند، سنجیدہ، یکسو، الفاظ وتعبیرات پر قادر ہونا ضروری ہے، وہ عوامی اور بیہودہ زبان نہ استعمال کرے، اس کی شخصیت ہمہ جہت ہو، معانی کی تدقیق و تنقیح اور ان کے تصفیہ وآراستگی میں زیادہ زور صرف نہ کرے، الا یہ کہ کسی بڑے دانشور اور فلسفی سے اس کی ملاقات ہو''۔ [2]

2- ہندستانی کہانیاں:

عربوں کو ہندستانی کہانیوں سے غیر معمولی دلچسپی تھی؛ چنانچہ انھوں نے متعدد ہندستانی کہانیوں کی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ مثال کے طور پر کلیلہ ودمنہ، جس کا ترجمہ ابن المقفع نے فارسی سے عربی میں کیا، سندباد جہازی کی کہانی ہندستانی تخلیقات میں سے ایک ہے، جیسا کہ ابن ندیم نے اس کی وضاحت کی ہے۔ [3] اسی قسم کی ہندستانی کتابوں میں سندباد الکبیر، سندباد الصغیر، کتاب ہابل فی الحکمۃ، کتاب الہند فی ہبوط آدم، کتاب وبک الہند فی الرجل والمرأۃ، کتاب حدود منطق الہند، کتاب ملک الہند القتال والسباح، کتاب شاناق فی التدبیر اور کتاب بیدباء فی الحکمۃ شامل ہیں۔ [4]

3-حکیمانہ اقوال:

حکیمانہ باتیں اور جملے ایسے ہوتے ہیں کہ انسان طویل بحثوں میں پڑنے کی بجائے انھیں پسند کرتا ہے، عربوں کو خصوصاً حکمتوں اور کہاوتوں کا شوق تھا، حسنِ اتفاق سے ہندستانی حکمت ودانائی کے اقوال عربوں کے اسلوب سے میل کھاتے تھے۔ جس کی وجہ سے اہلِ عرب ہندی حکمت سے بہت زیادہ متاثر ہوئے اور اس سے استفادہ بھی کیا۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں:

> ''میں نے ایک ہندستانی کتاب میں پڑھا: بدترین مال وہ ہے، جس میں سے خرچ نہ کیا جائے، بدترین بھائی وہ ہے، جو ذلیل ہو، بدترین بادشاہ وہ ہے، جو معصوم انسانوں کے ساتھ خیانت کرے، بدترین ملک وہ ہے، جہاں نہ امن وامان ہو اور نہ شادابی ہو''۔[5]

ان کا مزید کہنا ہے:

> ''ایک اور ہندستانی کتاب میں ہے: تین چیزیں ایسی ہیں، جو علوِ ہمت اور خطرات سے کھیلے بغیر حاصل نہیں ہوسکتیں: بادشاہت، سمندری تجارت اور دشمن پر قابو''۔[6]

انھوں نے بہت سے ہندستانی حکیمانہ اقوال کا ذکر کیا ہے، جن کے ذکر کا یہاں موقع نہیں ہے۔

صاحبِ ''سراج الملوک'' نے اپنی کتاب میں شاناق ہندی کے حکیمانہ اقوال پر مشتمل ایک مستقل فصل قائم کی ہے، یہ اقوال ''منتحل الجواہر'' سے ماخوذ ہیں۔[7]

حتی کہ کئی عربی شعرا بھی ہندستانی حکمت ودانش سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے، ابونواس کا شعر ہے:

قلت لزهير إذا حداوشدا
أقلل وأكثر فأنت مهذار
سخنت من شدة البرد حتى
صرت عندي كأنك نار

لايعجب السامعون من صنعتي
كذلك الثلج بارد حار

(میں نے زہیر سے کہا جب وہ تیز ہونے لگا کہ اپنی آواز ذرا کم اور ذرا زیادہ (معتدل) کرو؛ کیوں کہ تم ہر کام میں مبالغہ کرنے والے ہو، غالباً تم سخت ٹھنڈک کی وجہ سے گرم ہو چکے ہو اور آگ جیسے ہو چکے ہو، میری اس بات سے سامعین متعجب نہ ہوں؛ کیوں کہ برف بھی (بظاہر) نہایت ٹھنڈی، مگر اثر کے اعتبار سے گرم ہوتی ہے)

ان اشعار کے بارے میں ابن قتیبہ کہتے ہیں:

> "یہ شعر علمِ طبیعیات کے ایک نظریے کی طرف اشارہ کرتا ہے؛ کیوں کہ اہلِ ہند کا ماننا یہ ہے کہ جب کوئی چیز حد سے زیادہ ٹھنڈی ہو، تو اس کی تاثیر گرم و نقصان دہ ہو جاتی ہے"۔[8]

۴-مذہبی افکار:

اہلِ عرب ہندستانیوں کے مذہبی افکار سے بھی متاثر ہوئے اور اس باب میں بھی ان سے استفادہ کیا، مثلاً معتزلہ کا عقل کو حاکم قرار دینا ہندستانی فکر و فلسفہ سے ہی مستفاد ہے، حتی کہ وہ لوگ براہمہ کی طرح نبوت کے انکار کے قریب پہنچ چکے تھے۔[9]

اسی طرح عربوں کے صوفیانہ افکار و فلسفہ بھی ہندستان سے مستعار ہیں۔[10]
ابو العلا معری کا اپنے اوپر گوشت کو حرام قرار دے لینا اور جانوروں کے ذبح کیے جانے کو ناپسند کرنا بھی ہندوستانی فکر سے ہی متاثر ہونے کا نتیجہ تھا۔[11]

یونان

اہلِ عرب یونان سے بھی متاثر ہوئے اور ان سے بھی بہت سے الفاظ و تعبیرات حاصل کیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

1-عربی لغت میں اضافہ:

عربوں نے بہت سے یونانی الفاظ اپنا لیے، ان کی تعریب کر لی اور انھیں عربی بنالیا، ان میں سے چند الفاظ یہ ہیں:

ا-عربوں میں پہنے جانے والے کپڑوں سے متعلق ایک لفظ ہے ''برجد''، یہ ایک موٹا منقش کپڑا ہوتا تھا، ایک لفظ ہے ''ابوقلمون'' یہ ایک رومی کپڑا تھا، جو مختلف رنگوں میں رنگ کر استعمال کیا جاتا تھا۔[12]

ب-چیزوں کے نام: ایسی چیزیں، جن سے عربوں کی شناسائی رومیوں سے واسطہ پڑنے کے بعد ہوئی، جیسے: زبرجد، زمرد اور یاقوت وغیرہ۔[13]

ج-شعبۂ طب اور نباتات سے تعلق رکھنے والی چیزیں، جیسے: بلغم، قولنج، برقوق، لوبیا اور ترمس۔[14]

د-وزن اور پیمانے سے تعلق رکھنے والی چیزیں، جیسے قیراط اور اوقیہ وغیرہ۔[15]

ہ-نصرانی الفاظ جیسے جاثلیق اور بطریق۔[16]

2۔یونانی کہانیاں:

عربوں نے متعدد یونانی کہانیوں کو بھی ترجمہ کرکے شائع کیا، اس قسم کی کتابوں کی ابن ندیم نے پوری فہرست تیار کی ہے، جو ان کی کتاب الفہرست میں دیکھی جاسکتی ہے۔[17]

مثال کے طور پر ہم جاحظ کی ایک روایت نقل کر دیتے ہیں، اس نے لکھا ہے:

''یونان میں ایک شخص تھا، جو بڑی نادر قسم کی باتیں کیا کرتا تھا، اس کا نام ریسیموس تھا اور اس کی ہر بات قیمتی موتی جیسی ہوتی تھی، اس کا واقعہ ہے کہ جب وہ صبح سویرے قضائے حاجت یا نہانے دھونے کے لیے گھر سے باہر نکلتا، تو اپنے گھر کے دروازے کی جڑ میں ایک پتھر رکھ دیتا تھا؛ تاکہ اس کا ایک حصہ دوسرے سے مل نہ جائے اور بعد میں اسے کھولنے میں پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے؛ لیکن جب وہ اپنی ضرورت پوری کرکے

واپس لوٹتا، تو وہ پتھر غائب ہوتا اور دروازہ بند ملتا؛ چنانچہ ایک دن دروازے ہی کے پاس چھپ گیا کہ دیکھے کون یہ حرکت کرتا ہے، وہ انتظار میں ہی تھا کہ ایک شخص آیا اور پتھر اٹھالیا، جب اس نے اس پتھر کو اپنی جگہ سے ہٹادیا، تو دروازے کے دونوں حصے ایک دوسرے سے مل گئے، اب ریسیموس اوٹ سے باہر نکلا اور اس شخص سے پوچھا: اس پتھر کا تمھیں کیا کام ہے، کیوں اٹھایا؟ تو اس نے جواب دیا: مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ آپ کا ہے، تو ریسیموس نے کہا: مجھے بھی پتا ہے کہ وہ تمھارا نہیں ہے! ایک بار کسی نے اس سے کہا کہ: یسیموس دوسروں کو تو شاعری سکھاتا ہے، مگر خود شاعری نہیں کرتا، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس نے جواب دیا: ریسیموس چھری تیز کرنے والے آلے کی طرح ہے کہ وہ چھری کو تیز تو کرتا ہے، مگر خود کسی چیز کو نہیں کاٹتا۔ ایک بار کسی نے اسے بازار میں کھاتے ہوئے دیکھ لیا، تو کہا: تم بازار میں کھا رہے ہو؟ تو اس نے فوراً جواب دیا: بھوک بازار میں لگی ہے، تو بازار میں ہی کھاؤں گا نا!"۔ [18]

3-حکیمانہ اقوال:

اہلِ عرب حکیمانہ اقوال، امثال و کہاوت اور مختصر لفظوں میں قیمتی باتیں بیان کرنے کو بہت پسند کرتے تھے، ایجاز اور بلاغت جیسی علمی و ادبی اصطلاحیں ان کے پاس تھیں۔ [19] اس لیے ان خصوصیات کی حامل چیزیں انھیں جہاں اور جس قوم کے پاس ملتیں، انھیں حاصل کرنے کی فکر کرتے تھے؛ چنانچہ انھوں نے فیثاغورث، سقراط، افلاطون اور ارسطو سے منسوب بہت سے حکیمانہ اقوال کا ترجمہ کیا، جو آج بھی عربی ادب کی مختلف کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں، خاص کر "البیان والتبیین" اور "عیون الاخبار" میں اس کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔ ابن الندیم نے لکھا ہے:

"علی بن ربن نصرانی نے اہلِ فارس وروم وعرب کی کہاوتوں، امثال وآداب پر ایک کتاب تیار کی تھی"۔ [20]

4-مناظرہ:

جب اہلِ عرب کا رجحان مذہبی مباحثوں اور مجادلوں کی طرف ہوا، تو انھوں نے ان اقوام کے علمی ذخیرے سے رجوع کیا، جن کے یہاں علمِ مناظرہ کا رواج تھا اور چوں کہ اہلِ یونان اس فن میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے؛ اس لیے عربوں نے فنِ مناظرہ کی ان کی بہت سی کتابوں کے ترجمے کیے یا کروائے اور مذہبی مباحثے، مجادلے اور دینی مناظرے کے مختلف میدانوں میں ان سے استفادہ کیا۔[21] اس کی تفصیل ترجمہ نگاری کے اسباب کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

5- نئے مکاتبِ فکر:

عربوں پر سب سے زیادہ یونانی فکر و فلسفے کا اور عربی شعر و ادب پر بعض یونانی علمی موضوعات و مسائل اور فنی انشا پردازی کا اثر ہوا؛ چنانچہ ارسطو اور بقراط کے فکر و نظر سے ان کی اثر پذیری واضح ہے۔[22] ان کے افکار و آرا کے عام ہونے کے بعد معتزلہ اور متکلمین کے یہاں یہ صفت اور زیادہ واضح ہو کر سامنے آئی۔[23]

ان افکار و نظریات نے جہاں عربوں پر مثبت اثر ڈالا، وہیں منفی اثر بھی ڈالا جس کے نتیجے میں عربوں میں گمراہی پھیلی اور وہ عقیدہ و عمل کی تاریکیوں میں قلابازیاں کھانے لگے، مثلاً:

1-الحاد و زندقہ: صرف یونانی افکار و نظریات پر انحصار کرنے کی وجہ سے عربوں میں ایسی جماعتوں اور فرقوں کا ظہور ہوا، جو الحاد و زندقہ کا شکار ہو گئے اور انھوں نے گمراہ و گمراہ کن نظریات اپنا لیے، اس کے اثرات اس زمانے کے عربی شعر و ادب میں بھی محسوس کیے جا سکتے ہیں۔[24]

2-منطق کی چھاپ: جو کتابیں پہلے عربی بلاغت اور ادبی حسن سے آراستہ ہو کر شائع ہوتی تھیں، اب ان پر منطق کی چھاپ پڑ گئی اور وہ منطقی اسلوب میں شائع ہونے لگیں، علومِ عقلیہ مثلاً فلسفہ، طب، ریاضیات اور فلکیات وغیرہ پر پوری طرح یونانی علوم کا غلبہ ہو گیا۔[25]

3-اسلامی تعلیمات سے دوری: جب عربوں میں منطق و فلسفہ جیسے علوم رائج ہوئے

اور انھوں نے منطقی وفلسفیانہ انداز سے سوچنا شروع کر دیا، تو وہ بہ تدریج قرآن کریم اور اسلامی تعلیمات سے دور ہوتے چلے گئے، حتی کہ انھوں نے ذاتِ باری تعالٰی کی حقیقت وماہیت اور خلق قرآن جیسے مسائل پر بحث ونقاش شروع کر دیا۔ [26]

فارس

عربوں نے علم وفن کے شعبوں میں اجنبی اقوام سے جو کچھ بھی حاصل کیا، ان میں سے زیادہ تر فارسیوں اور فارسی زبان کے راستے آیا۔ ابن خلدون لکھتے ہیں:

"مسلم امت کے زیادہ تر اہلِ علم عجمی النسل ہیں"۔ [27]

حدیث میں بھی منقول ہے کہ:

"اگر علم آسمان کے کناروں سے لپٹ جائے، تو بھی اہلِ فارس کی ایک جماعت اسے حاصل کر لے گی"۔ [28]

جب عربوں کے ترجمہ کردہ علوم وفنون میں فارس اور اہلِ فارس کا عمل دخل تھا، تو ان کا فارسیوں سے متاثر ہونا بھی یقینی تھا۔

اہل فارس سے متاثر ہونے کے اسباب:

1- بہت سے عباسی خلفا کی تربیت ہی فارسیوں کے ہاتھوں ہوئی اور شاگرد کا استاذ سے متاثر ہونا یقینی ہوتا ہے، سو وہ خلفا اپنے فارسی النسل اساتذہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے، مثلاً خالد برمکی خلیفہ مہدی کا استاذ تھا اور فضل امین کا استاذ تھا اور جعفر مامون کا اتالیق تھا۔ [29]

2- حکومت میں فارسیوں کا اثر ورسوخ:

خلافتِ عباسیہ کے قیام میں اہلِ فارس کا اہم رول تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت دن سے اس چکر میں تھے کہ عربوں سے اپنی چھینی ہوئی حکومت دوبارہ حاصل کریں، اسی مقصد اور منصوبے کے تحت انھوں نے عباسیوں کو تختِ حکومت تک پہنچنے میں مدد بہم پہنچائی اور اسی وجہ سے عباسی

حکومت میں انھیں غیر معمولی سیاسی قوت وسطوت اور اثر ورسوخ حاصل ہوگیا، البتہ جو اہلِ فارس حکومت میں رسائی رکھتے اور اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، وہ جاہل نہ تھے؛ بلکہ اہلِ علم وفضل تھے؛ چنانچہ انھوں نے خلفاے عباسیہ کے ساتھ مل کر علم وادب کے فروغ میں غیر معمولی حصہ لیا۔[30]

3- مذہبی معاملات میں اہلِ فارس کی روایت:

مذہبی معاملات میں فارسیوں کی روایت بحث ومباحثہ اور جدال ومناظرے کی تھی، جب وہ اسلام لائے، تو بھی اپنی اس روایت پر برقرار رہے اور اپنے نئے مذہب میں بھی ان کا یہ طور باقی رہا؛ چنانچہ ایک ایسی جماعت کی ضرورت محسوس ہوئی، جو انہی کے انداز میں دلائل کے ذریعے ان کا رد کرے، اس کام کے لیے انھیں ان کی کتابوں کے ترجمے پڑھنا پڑے۔[31]

4- اہلِ فارس کی علمی خصوصیت:

اہلِ فارس صاحبِ علم وفضل وادب اور تہذیب یافتہ لوگ تھے، وہ فلسفہ، ریاضیات اور طب جیسے علوم سے آگاہ تھے؛ چنانچہ جب عباسی خلافت میں نیا علمی انقلاب آیا، تو انھوں نے تیزی سے اپنے علوم کو فروغ دینا شروع کیا اور ان علوم کی کتابوں کے ترجمے میں بہت حصہ لیا۔[32]

5- کتابیں اور زبان:

اہلِ فارس کی کتابوں، کہانیوں اور فارسی میں تعبیرات والفاظ کی کثرت نے عربوں کو ان کی طرف متوجہ کیا اور انھوں نے مترجمین کی خدمات حاصل کر کے انھیں اپنی زبان میں منتقل کرنے میں سرعت کا مظاہرہ کیا۔[33]

جن شعبوں میں اہلِ عرب فارسیوں سے متاثر ہوئے:

1- افکار وخیالات:

عربوں نے بہت سے عجمی، فارسی افکار ونظریات کو اپنا لیا اور اس کی فطری وجہ دو تہذیبوں کا باہمی میل ملاپ تھا اور ایک تہذیب کا دوسری تہذیب سے اس طرح متاثر ہونا

اچھا ہے، برا نہیں ہے، عمدہ ہے، مذموم نہیں ہے۔ عربوں نے اہلِ فارس سے اختلاط کی وجہ سے ان کے افکار و محسوسات کو اپنا لیا، مثلاً اہل تشیع میں غلو کا پایا جانا؛ کیوں کہ یہ لوگ دیار عجم میں چہار جانب پھیلے ہوئے تھے، جب عربوں سے ان کا اختلاط ہوا، تو ان پر بھی ان کے اثرات مرتب ہوئے، عربوں میں اس کا بیج بویا گیا، جو دھیرے دھیرے تناور و ثمر بار درخت سے بدل گیا۔ ہارورڈ کے پروفیسر مور کہتے ہیں:

''بعض شیعی جماعتوں کے اندر ہمیں جو تعصب اور غلو نظر آتا ہے، وہ بلاشبہ اس وجہ سے ہے کہ بہت سے زرتشتی مذہب کے لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا''۔[34]

2- انتظامیہ:

عربوں نے ملکی نظم و نسق کے بہت سے شعبوں میں ایسی روایات اور طور طریقے اختیار کیے، جو ان کے یہاں متعارف نہیں تھے، ان کی تفصیل سے قطع نظر یہ سمجھیے کہ وزارت، حجابت، حکومت، جنگ، بچوں کی پیدایش اور ڈاک کے معاملات میں نجومیوں کا عمل دخل، مختلف شہری شعبے اور سیاف وغیرہ جیسے عہدے سب فارسی الاصل تھے، ان کی تفصیلات ڈاکٹر احمد محمد حوفی کی کتاب میں دیکھی جا سکتی ہیں۔[35]

3- عجمی لیڈر شپ:

ابتدائی صدیوں میں عربی و اسلامی فکری تحریک کی سربراہی زیادہ تر عجمی اہلِ علم و فکر کے ہاتھ رہی، اسی کی طرف ابن خلدون نے اشارہ کیا ہے۔[36] معاملہ اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ اہلِ عرب عجمی بادشاہوں کو ایسی نظروں سے دیکھنے لگے گویا وہ علم و فضل اور تہذیب و ثقافت میں ان سے زیادہ ترقی یافتہ ہوں، اس سلسلے میں اہم کردار جندیسا پور جیسے فارس کے بعض مشہور علمی اداروں نے ادا کیا اور فارسی حکومت کی نگرانی میں ہندی و یونانی فلسفے باہم آمیز ہوئے۔

4- کتابیں:

جیسا کہ ترجمہ شدہ کتابوں کی فہرست سے ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ بے شمار فارسی کتابوں

کا عربی میں ترجمہ کیا گیا، ان میں سے بہت سی کتابوں کی تالیف اہلِ فارس ہی کی نگرانی میں عمل میں آئی، اسی راہ سے فارسی علم وفکر وادب کے بہت سے اصول ومظاہر عربی ادب کا حصہ بن گئے۔[37] ان میں خطوط نگاری اور ادبی فلسفے سے بحث کرنے والی کتابیں اہم ہیں، مثلاً مسکویہ کی کتاب ''ادب العرب والفرس'' جس کے بارے میں انوسترانزوف نے لکھا ہے کہ:

''یہ کتاب اصلاً فارسی زبان میں تھی''۔[38]

اسی طرح عبداللہ بن المقفع کی ''کتاب الادب'' بھی اصلاً فارسی زبان میں تھی، اس قسم کی مزید کتابوں کی فہرست کے لیے ''تاثیر ایران فی آداب العرب''[39] اور ابن الندیم کی ''الفہرست''[40] سے رجوع کیا جا سکتا ہے، انھوں نے اہلِ فارس کی علمی، ادبی و تصنیفی خدمات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔

5-جغرافیائی قربت:

دیگر اقوام کے بالمقابل اہلِ فارس عربوں سے زیادہ قریب تھے، ان کے عادات و اطوار اور مذہبی روایات سے مانوس تھے، جبکہ دوسری طرف اکثر اہلِ فارس اپنی فارسیت کے تئیں متعصب بھی تھے اور اپنے آپ کو عربوں سے افضل سمجھتے تھے، اسی نفسیات کے تحت انھوں نے عربوں پر اپنے علم وفضل کے دروازے کھولے؛ تاکہ انھیں پتا تو چلے کہ فارسی کتنے عظیم القدر ہیں۔[41]

6-فارس کے مسلمان:

بہت سے اہلِ فارس نے دل سے اسلام قبول کیا، پھر انھوں نے عربی زبان وادب کی تعلیم حاصل کی، شرعی علوم وفقہ میں مہارت حاصل کی اور ان میں بہت سے ماہرینِ شریعت وادب پیدا ہوئے، پھر عرب وعجم کے مسلمانوں نے ان سے ادب وشریعت کا علم حاصل کیا، جیسے کہ ابوحنیفہ فقہ کے امام ہوئے، بخاری امام حدیث ہوئے اور سیبویہ عربی زبان کے امام

تھے اور یہ سب عجمی النسل تھے۔[42]

7-موسیقی ونغمہ:

عربوں نے موسیقی اور نغمہ گوئی ونغمہ نگاری کا علم بھی فارسیوں سے سیکھا؛ کیوں کہ وہ اس فن میں مشہور تھے؛ چنانچہ مروی ہے کہ مشہور فارسی ساسانی بادشاہ بہرام غور نے اپنے دربار میں گانے کے لیے بارہ ہندستانی گلوکاروں کو رکھا ہوا تھا۔[43] اسی طرح ہارون رشید کے بارے میں منقول ہے کہ اس نے اپنے محل میں ابن ابومریم الفکہ مغنی وغیرہ کو باقاعدہ رہائش دی ہوئی تھی۔[44]

8-ادب وشعر:

اس شعبے میں بھی اہلِ فارس نے عربوں پر بہت زیادہ اثر ڈالا؛ چنانچہ انھوں نے بہت سی کہانیوں، حکیمانہ اقوال اور اخلاق وآداب کی تعلیم پر مشتمل کتابوں کا ترجمہ کیا، الفاظ و عبارات کے استعمال میں انہی کی طرح تکلف وتصنع سے کام لیا اور بادشاہوں، وزیروں اور اصحابِ وجاہت لوگوں کے لیے بھاری بھر کم تعظیمی القاب استعمال کرنے لگے۔ اس کا تذکرہ ایک مستقل عنوان کے تحت عن قریب کیا جائے گا۔

عرب شعرا غزلیات میں توسع سے کام لینے لگے، موضوع کے طور پر مؤنث کی بجائے مذکر کا استعمال کیا، خمریات کے ذکر میں مبالغہ آرائی کی، اپنے اشعار میں کھل کر ملحدانہ خیالات کا اظہار کیا اور ایسے ایسے معانی وافکار ظاہر کرنے لگے، جن کی مثالیں پہلے عربوں میں نادر تھیں، اس پر مستزاد انھوں نے شعری الفاظ میں تکلف وتصنع سے کام لیا اور محسناتِ لفظی و معنوی پر غیر معمولی توجہ دی۔ اس موضوع پر احمد محمد الحوفی نے اپنی کتاب میں تفصیلی گفتگو کی ہے، اس حوالے سے ان کی کتاب جامع اور بہت زیادہ معلومات ومواد کی حامل ہے۔[45]

9-تعظیم وتوقیر کے الفاظ:

عربوں نے اہلِ فارس سے مختلف فارسی علوم وفنون کے ساتھ ان کے مابین رائج مختلف تعظیمی الفاظ والقاب بھی حاصل کیے، جیسے "حضرت"، "جناب"، "سید"، "سفاح"، "منصور"، "رشید"، "ذوالریاستین"، "رکن الدولہ" وغیرہ۔ مراسلت اور عہد ناموں میں طول نگاری کا رواج قائم ہوا، ایک معنی ومفہوم کو ادا کرنے کے لیے بہت سے الفاظ ومترادف جملے استعمال کیے جانے لگے، اس سے زبان واسلوب کو یہ فائدہ ہوا کہ اس میں خوب صورتی وشوکت کے اوصاف پیدا ہوگئے اور ایک بات کو بیان کرنے کے لیے کئی کئی تعبیرات وجود میں آ گئیں۔[46]

نمونے کے طور پر ایک دعائیہ خط پیش ہے، جسے نئے سال کی مناسبت سے صابی نے عضد الدولہ کو لکھا تھا:

" أسأل الله تعالى مبتهلاإليه، مادايدي إليه، أن يحيل على مولانا هذه السنة، ومايتلوهامن أخواتها، بالصالحات الباقيات، وبالزائدات الغامرات، لتكون كلها دهرا يستقبله، وأن يستأنفه موفيا على المتقدم له،قاصرامن المتأخرعنه، ويوفيه من العمرأطوله وأبعده، ومن العيش أعذبه وأرغده، عزيزامنصورا، محبباموفورا، باسطايده فلايقبضها إلاعلى نواحي أعداء وحساد، ساميا طرفه فلايغمضه إلاعلى لذة ورقاد، مستريحة ركابه فلايعملها إلالاستضافة عزيزوملك، فائزة قداحه فلايجلهاإلا لحيازة مال وملك، حتى ينال أقصى ماتتوجه إليه أمنيته جامحا، وتسموله همته طامحا".[47]

(میں اللہ تعالیٰ کے حضور الحاح وزاری کے ساتھ ہاتھ پھیلائے ہوئے دعا گو ہوں کہ وہ اس سال اور آنے والے سالوں کو ہمارے آقا کے لیے باقیاتِ صالحات بنائے اور بہت سے مزید سالوں سے نوازے؛ تاکہ وہ سب مل کر ایک زمانہ ہو جائیں، جس کا وہ گزرے ہوئے سالوں کو چھوڑ کر

ازسرنو آغاز کریں، انھیں لمبی عمر، خوشحال زندگی عطا کرے، انھیں قوی و فاتح بنائے، محبوب و ہر دلعزیز بنائے، ان کے ہاتھ کھلے ہوئے ہوں اور وہ انھیں صرف اپنے دشمنوں اور حاسدوں پر بند کریں، ان کی نگاہیں ہمیشہ بلند رہیں، صرف حصولِ لذت اور نیند کے دوران جھکیں، ان کی سواریاں ہمیشہ محوِ استراحت ہوں، صرف کسی ملک کے حاکم و بادشاہ کی مہمان نوازی کے لیے ان کا استعمال کیا جائے، ان کے چقماق کی آگ پر سکون رہے، صرف مال و منال کے حصول اور ملکوں کو فتح کرنے کے لیے اسے روشن کریں، یہاں تک کہ وہ اپنی آخری آرزو پوری کرلیں اور ان کی ہمت بلند و پرجوش ہو۔)

10-عربی لغت میں اضافہ:

جس طرح عربوں میں فارسی علوم وثقافت کا شمول ہوا، اسی طرح بہت سے فارسی الفاظ سے بھی اہلِ عرب متعارف ہوئے، ان میں سے بے شمار لفظوں کی انھوں نے تعریب کرلی اور انھیں اپنی زبان کے لغت کا حصہ بنالیا، مثلاً:

1- کپڑے: اس ذیل میں ایک لفظ الخسر وانی درآمد کیا، یہ ایک قسم کا خوب صورت ریشمی کپڑا ہوتا ہے۔

2- پھول: اس ذیل میں نرگس (نرجس) نیلوفر، نسرین وغیرہ عربی لغت میں شامل کیے گئے۔

3- نظم ونسق: اس شعبے میں صبهذ اور جوسق جیسے الفاظ شامل ہوئے۔

4- مقامات: اس ضمن میں باغ اور بیمارستان جیسے الفاظ عربی لغت کا حصہ بنے۔

5- تہوار: اس حوالے سے ایک لفظ نوروز عربی لغت میں شامل ہوا۔

6- غذائی اجناس اور ان کے متعلقات: اس ذیل میں طاجن، فالودہ (فالوزج) طست (طشت) وغیرہ عربی لغت میں شامل ہوئے۔[48]

اس قسم کی سیکڑوں مثالیں ہوسکتی ہیں، جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

منفی اثرات:

علمی، سیاسی وادبی سطح پر جس طرح فارسیوں نے عربوں پر مثبت اثرات ڈالے، اسی طرح مختلف ناحیوں سے ان پر اس کے منفی اثرات بھی مرتب ہوئے، جن کی وجہ سے ان کے ذہن ودماغ اور افکار وخیالات میں فساد پیدا ہو گیا اور ان کی اپنی اچھی خصوصیات زائل ہو گئیں، مثال کے طور پر:

1- گمراہ فرقوں کا ظہور:

بعض فارسیوں نے دکھاوے کے لیے ایمان تو قبول کر لیا، مگر فی الحقیقت انھوں نے اپنی مسلمانی کو گمراہ افکار وخیالات کے پھیلانے اور مسلمانوں کی زندگیوں سے اسلامی اخلاق واوصاف کو ختم کرنے کے لیے استعمال کیا، انھوں نے بے شمار ملحدانہ کتابوں کا ترجمہ کر کے مسلمانوں میں الحاد وزندیقیت اور شرک کو پھیلایا۔[49]

انھوں نے مسلمانوں کے مابین تشکیکی رجحانات مثلاً حیرت اور شک کے نظریے کو بھی فروغ دیا، جو عربی شاعر ابوالعلا معری کے یہاں بہ کثرت پایا جاتا ہے، خیام اور حافظ وغیرہ کے یہاں بھی اس کے نمونے موجود ہیں۔[50]

2- احادیث واشعار گڑھنا:

انھوں نے بہت سی حدیثیں گڑھ کر حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب کر دیں، اسی طرح من گڑھت اشعار بڑے بڑے شعرا سے منسوب کیے؛ تاکہ مذہبی حوالے سے مسلمانوں کے دین وایمان کو خراب اور علمائے زبان وادب کو گمراہ کریں اور عربی اسلامی ادب کی شکل وصورت مسخ کر دیں۔[51]

3- غلط رسم ورواج:

عباسی خلفا نے بہت سے فارسی رسم ورواج اور ان کی مذہبی روایات کو اپنا لیا۔ ''تاریخ فارس بعد الاسلام'' کے مصنف کا کہنا ہے:

"عباسی خلفا نے تقریباً تمام شعبہ ہائے حیات میں فارسی روایات اور ان کے رسم و رواج کو اختیار کر لیا تھا"۔ [52]

مثلاً انھوں نے روزمرہ کی زندگی کو پر تکلف بنانے میں غیر معمولی اسراف سے کام لیا، اس کا بھرپور نمونہ ہمیں امین اور مامون کی شادی کے واقعات میں ملتا ہے۔ [53] اسی طرح اہلِ فارس کے رواج کے مطابق انھوں نے بادشاہ اور رعایا کے لیے الگ الگ لباس کا رواج قائم کیا۔ [54] یہاں تک کہ وہ باقاعدہ فارسیوں کے مذہبی تہوار منانے لگے اور نوروز کے موقعے سے مشاعرے کی مجلسیں برپا کی جانے لگیں اور شعرا پر سرکاری خزانے سے بے حساب مال و دولت لٹایا جانے لگا۔ [55] عربوں میں اس قسم کا رواج پہلے کبھی نہیں تھا، اسی وجہ سے جب ایک بار ایک عربی دیہاتی شخص دار الحکومت پہنچا اور اس نے اس قسم کے عجیب و غریب رسم و رواج کا مشاہدہ کیا، تو اسے بے پناہ تعجب ہوا اور وہ ہکا بکا رہ گیا۔ [56]

مذکورہ کتاب کے مصنف عباسی حکومت میں رونما ہونے والی ان تبدیلیوں، رسم و رواج اور عہدِ نبوی ﷺ و صحابہؓ کے درمیان فرق پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان خلفا کی عادات اور سیرت کے مابین اور سیرتِ نبوی ﷺ و خلفائے راشدین کی سیرت کے مابین زمین آسمان کا فرق تھا"۔ [57]

دیگر آسمانی کتابیں:

اس بحث کے اختتام سے قبل ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم سے قبل عربوں پر دیگر آسمانی کتابوں کے اثرات کا بھی ذکر ہو جائے؛ اس لیے کہ دستیاب تاریخی معلومات کی روشنی میں ہمیں پتا چلتا ہے کہ مختلف ادوار میں توریت و انجیل کے بھی عربی ترجمے ہوتے رہے ہیں، ان کا ترجمہ دورِ ماقبل اسلام میں بھی ہوا، اسلام کے ابتدائی دور میں بھی ہوا اور عہدِ عباسی میں بھی ان کتابوں کا عربی ترجمہ کیا گیا۔ عہدِ عباسی میں حنین بن اسحاق نے توریت کا یونانی سے عربی ترجمہ کیا تھا۔ [58]

یہ مشہور ہے کہ اہلِ عرب بلا تفریقِ مذہب توریت و انجیل کا مطالعہ کرتے تھے، کبھی تو

اس سے استفادہ کرتے اور کبھی عیسائی و یہودی مذہب کے رد کے لیے انھیں پڑھتے تھے۔ ایسے میں مطالعہ کرنے والے کا ان کتابوں سے کسی نہ کسی درجے میں متاثر ہونا یقینی تھا۔ یہاں ہم انہی شعبوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جن میں اہلِ عرب ان آسمانی کتابوں سے متاثر ہوئے۔

1-اعتقاد:

اہلِ عرب عقائد کے باب میں ان کتابوں سے متاثر ہوئے؛ چنانچہ قدریہ فرقے کی فکری بنیادیں وہیں سے آئیں۔[59] اسی طرح اقانیمِ ثلاثہ اور اعتزال کے تصورات انہی آسمانی کتابوں کے واسطے سے عربوں میں داخل ہوئے۔[60]

آسٹریائی مستشرق الفرڈ کریمر (Alfred von Kremer) لکھتے ہیں:

> ''معتزلہ کی ابتدا ایک نصرانی فرقے کے طور پر ہوئی، خصوصاً تقدیر اور صفاتِ باری تعالیٰ کے تعلق سے اس کے عقائد ان سے ملتے جلتے تھے''۔[61]

2-واقعات اور کہانیاں:

عربوں نے ان کتابوں سے کئی واقعات اور کہانیاں اخذ کیں۔ پروفیسر شوفان کی رائے یہ ہے کہ ''الف لیلۃ ولیلۃ'' کے بعض واقعات یہودی الاصل ہیں۔[62]

3-عربی لغت میں اضافہ:

وہ تمام یونانی و عبرانی الفاظ، جو عربی لغت کا حصہ بنے، وہ انہی کتابوں کے راستے سے آئے۔

حواشی:

1- ضحیٰ الاسلام، ج:1، 246

2- ایضا، ص:246-247

3- الفہرست، ص:305

4- ایضا
5- عیون الاخبار، ج1، ص:263
6- ایضا، ص:231
7- ضحیٰ الاسلام، ج:1، ص:249-250
8- ایضا
9- الحیاۃ الادبیۃ فی البصرۃ، ص:112-113
10- ایضا، ص:113
11- ضحیٰ الاسلام، ج:1، ص:252
12- ایضا
13- ایضا
14- ایضا
15- ایضا
16- ایضا
17- ص:305-306
18- کتاب الحیوان، ج:1، ص:140
19- جمہرۃ خطب العرب، ج:1، ص:56
20- الفہرست، ص:316
21- الجاحاظ واثرہ فی النثر الفنی، ص:127-128
22- الجاحاظ واثرہ فی النثر الفنی، ص:127-128
23- امراء الشعر العربی فی العصر العباسی، ص:70-74
24- الجاحظ واثرہ فی النثر الفنی، ص:128
25- ایضا
26- مسلمانوں کا عروج وزوال، ص:۸۹-۹۶، من الفلسفۃ الیونانیۃ الی الفلسفۃ الاسلامیۃ، ص:330-331
27- امراء الشعر العربی فی العصر العباسی، ص:65

28- ایضا

29- حرکۃ الترجمۃ واعلامہا فی العصر العباسی، ص:9

30- تاریخ العلوم العقلیۃ فی التمدن الاسلامی، ص:6

31- ایضا

32- ایضا

33- تاریخ الآداب فی ایران، ص:118

34- امراء الشعر العربی فی العصر العباسی، ص:66

35- تیارات ثقافیۃ بین العرب والفرس، ص:98-111

36- امراء الشعر العربی فی العصر العباسی، ص:66

37- من تاریخ الادب العربی، ص:34

38- امراء الشعر العربی فی العصر العباسی، ص:66

39- تاثیر ایران فی آداب العرب، ص:53

40- الفہرست، ص:244

41- امراء الشعر العربی فی العصر العباسی، ص:68-67

42- الجاحاظ واثرہ فی النثر الفنی ص:126-127

43- خدمات تقابلیہ اسلام وفارس، ص:410

44- موسوعۃ التاریخ الاسلامی، ج:3، ص:144

45- تیارات ثقافیۃ بین العرب والفرس، ص:236

46- تاریخ الادب العربی للزیات، ص:236

47- تیارات ثقافیۃ بین العرب والفرس، ص:200

48- ایضا، ص:172-176

49- الجاحظ واثرہ فی النثر الفنی، ص:127

50- الآثار الاسلامیۃ، ص:140

51- فی تاریخ الطب فی الدولۃ الاسلامیۃ، ص:54

52- ج:1،ص:417

53- تاریخ ایران بعد از اسلام، ج:1،ص:449

54- ایضاً،ص:447

55- ایضاً

56- ایضاً،ص:449

57- ایضاً

58- تاریخ الحکماء،ص:138

59- الحیاۃ الادبیۃ فی البصرۃ،ص:130

60- ایضاً،ص:131

61- ایضاً

62- ایضاً

باب:14

اعتراضات

بعض مستشرقین وناقدین نے عہدِ عباسی کے تراجم پر مختلف قسم کے اشکالات کیے ہیں، بعض کا تعلق ان تراجم کی صحت سے ہے، بعض کا مترجمین کی امانت داری سے اور بعض کا ان کے مذہب سے۔ ذیل میں ان اعتراضات کے جوابات دینے کی کوشش کی جارہی ہے:

1-عہدِ عباسی کے تراجم کی صحت:

برطانوی مستشرق دی لاسی اولیری (De Lacy O'Leary) کا کہنا ہے کہ بیشتر یونانی لٹریچر کا اولاً سریانی زبان میں ترجمہ کیا گیا تھا اور یہ ترجمہ کرنے والے یونانی زبان کے ماہر نہیں تھے، جس کی وجہ سے ان سے غلطیاں سرزد ہوئیں اور یہ غلطیاں سریانی سے عربی بان کے تراجم میں بھی منتقل ہوگئیں۔[1]

یعنی ان کا اعتراض یہ ہے کہ:

1-مترجمین نے لسانی کم علمی کی وجہ سے یونانی لٹریچر کے سریانی تراجم میں غلطیاں کی تھیں۔

2-اور یہ غلطیاں سریانی سے عربی زبان کے تراجم میں بھی منتقل ہوگئیں۔ یعنی پہلے کے مترجمین نے جو غلطیاں کی تھیں، بعد میں سریانی سے عربی زبان میں ترجمہ کرنے والوں نے ان کی تحقیق نہیں کی، ان تراجم کو اصل نسخوں سے ملا کر نہیں دیکھا، جس کی وجہ سے پہلے جو

غلطیاں واقع ہوئی تھیں، وہ عربی تراجم میں بھی منتقل ہوگئیں۔

مگر خارج میں ایسے حقائق موجود ہیں، جن کی وجہ سے ان کا یہ اعتراض درست نہیں ہے:

1- ڈاکٹر توفیق الطویل وغیرہ کے بیان کے مطابق عہدِ عباسی کے مترجمین عموماً مترجم الیہ اور مترجم منہ دونوں زبانوں کے ماہر ہوتے تھے، ساتھ ہی جس موضوع کی کتاب کا ترجمہ کرتے، اس میں بھی انھیں دست رس حاصل ہوتی تھی۔[2]

مثال کے طور پر حنین بن اسحاق (جو یونانی سے سریانی زبان میں ترجمہ کرتا تھا) کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ وہ یونانی اور سریانی دونوں زبانوں میں مہارت رکھتا تھا، ساتھ ہی ترجمے میں نہایت احتیاط سے کام لیتا اور کام شروع کرنے سے قبل متعلقہ کتاب کا اصل نسخہ حاصل کرنے کی انتھک جدوجہد کرتا تھا۔[3] اس مترجم نے بے شمار تراجم کی تصحیح کی، ساتھ ہی بہت سی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا، اس کی ترجمہ شدہ کتابوں کی فہرست ''تاریخ فی الدولۃ الاسلامیۃ''[4] میں مذکور ہے۔ اسی طرح کی باتیں یونانی سے سریانی زبان میں ترجمہ کرنے والے اکثر و بیشتر لوگوں کے بارے میں کہی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر:

1- یہ کہ مامون نے یونانی و سریانی زبانوں کے ماہر حجاج بن مطر اور ابن بطریق کو کتابوں کے حصول کے لیے روم بھیجا تھا۔ مشہور مؤرخ گبن نے اعتراف کیا ہے کہ روم سے جو کتابیں حاصل کی گئیں، ان کا ترجمہ ماہر مترجمین نے کیا تھا۔[5]

2- نصاریٰ، جن کی مترجمین میں بہت بڑی تعداد تھی، وہ زبان کے ماہرین تھے۔ ڈاکٹر عامر نجار لکھتے ہیں:

> ''ہم دیکھتے ہیں کہ عہدِ عباسی کے بیشتر اطبا نصرانی تھے، جو سریانی زبان بہت اچھی طرح جانتے تھے، ان میں ایک جماعت ان لوگوں کی تھی، جنھوں نے مدرسۂ جندیساپور، رہا یا نصیبین میں تعلیم حاصل کی تھی''۔[6]

3- قسطا بن لوقا، جو یونانی سے عربی زبان میں ترجمے کرتا تھا، اس کے بارے میں صاحبِ ''عیون الانباء فی طبقات الاطباء'' نے لکھا ہے:

''قسطا نے بہت سی کتابوں کا یونانی سے عربی زبان میں ترجمہ کیا، وہ بہترین ترجمہ نگار تھا، فصیح وبلیغ یونانی، سریانی وعربی زبان جانتا تھا، اس نے بہت سے تراجم کی تصحیح بھی کی، وہ خود یونانی النسل تھا اور اس نے طب وغیرہ کے موضوع پر بہت سے رسائل (کتابچے) اور کتابیں لکھیں، اس کا اسلوبِ تحریر خوب صورت اور طرزِ انشا عمدہ تھا۔ ابن الندیم بغدادی کا کہنا ہے کہ: قسطا کو بہت سے علوم وفنون میں مہارت حاصل تھی، جن میں طب، فلسفہ، جیومٹری، اعداد اور موسیقی شامل ہیں، وہ یونانی زبان کا فصیح عالم اور عربی زبان کا بہت اچھا نثر نگار تھا''۔ [7]

4- ابن شاکر نجومی کے بیٹوں محمد، احمد اور حسن نے صرف کتابوں کے حصول کے لیے روم اپنا ایک وفد بھیجا تھا، کتابوں کے حصول کے بعد انھوں نے دور دراز کے ملکوں سے ماہر مترجمین تلاش کیے، انھوں نے جو تراجم کروائے، وہ یونانی، فارسی، کالدی، قبطی اور شامی زبانوں میں تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم ابن شاکر کے ان تینوں بیٹوں کے ذریعے کروائے گئے تراجم تو بالکل درست تھے۔ [8]

5- اصطفان بن بسیل (باسیل) جو یونانی سے عربی ترجمہ کرنے والوں میں سے ایک تھا، اس کے بارے میں صاحبِ ''عیون الانباء فی طبقات الاطباء'' لکھتے ہیں:

''اصطفان بن بسیل ترجمہ نگاری کی صلاحیت میں حنین کا ہم پلہ تھا، البتہ حنین کی عبارت زیادہ فصیح اور شفاف ہوتی تھی''۔ [9]

6- اسحاق بن حنین اور اس کا بھانجا حبیش دونوں یونانی وسریانی زبانوں کے ماہر تھے۔ [10]

7- عہدِ عباسی کے بعض تراجم نہایت عمدہ اسلوب اور مکمل مہارت سے کیے گئے ہیں۔ یہ بات ہنری لوئس (G.Henry Lews) صاحبِ History of Philosophy نے کہی ہے۔ [11]

2- مترجمین کی خیانت:

اسی مستشرق کا قول ہے کہ عرب مترجمین اکثر وبیشتر اہم معانی وافکار کے ترجمے پر اکتفا کرتے تھے، زائد الفاظ کو وہ جہالت یا سوءِ فہم کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ جان بوجھ کر چھوڑ دیتے تھے۔

ترجمہ نگاری میں ان کی اس آزادروی کی وجہ سے بسا اوقات ترجمہ اصل سے زیادہ واضح اور معنی خیز ہوجاتا تھا۔[12]

اس سے ان کی مراد گویا یہ ہے کہ:

1-عربی کے بیشتر مترجمین اصل اور متن پر دھیان نہیں دیتے تھے، اس میں سے جو کچھ چاہتے، حذف کردیتے تھے۔

2-ترجمے میں وضاحت وسلاست ان کے اس عمل کی وجہ سے خود بخود پیدا ہوجاتی تھی، اس میں ان کی مترجمانہ مہارت وبراعت کا کوئی دخل نہیں تھا۔

ان کا یہ اعتراض بھی غلط ہے اور اس کے کئی اسباب ہیں:

1-بیشتر مترجمین دقتِ نظر اور علمی امانت داری کا مکمل پاس ولحاظ رکھتے تھے، جیسا کہ ڈاکٹر توفیق الطویل کہتے ہیں:

> ''ان میں سے بیشتر مترجمین ترجمہ نگاری میں دقتِ نظر اور دیانت داری کا اہتمام کرتے تھے''۔[13]

اس سلسلے میں دیسقوریدوس کی کتاب ''الحشائش'' کے ترجمے کا واقعہ بیان کرنا مناسب ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب کا ترجمہ پہلے پہل جعفر متوکل کے زمانے میں ہوا، ترجمہ نگار اصطفان بن بسیل تھا اور اس کی تصحیح حنین بن اسحاق نے کی تھی۔ اصطفان نے ان دواؤں کے ناموں کا تو ترجمہ کیا تھا، جن کا اسے علم تھا، مگر جن دواؤں سے وہ واقف نہیں تھا، ان کا ترجمہ نہیں کیا تھا؛ بلکہ ان کے یونانی الفاظ کو جوں کا توں رہنے دیا، یہ ترجمہ اسی حالت میں رہا، یہاں تک کہ خلیفہ ناصر بن محمد کا زمانہ آگیا، اسے قسطنطنیہ کے بادشاہ نے وہ کتاب ہدیہ کی، تو خلیفہ نے اس کا ترجمہ کروانا چاہا اور رومی بادشاہ کو لکھا کہ وہ یونانی زبان کے ماہر نقولا کو کرایے پر اس کے پاس بھیج دے؛ چنانچہ نقولا نے ابوعثمان الحزاز، محمد بن سعید، عبدالرحمن بن اسحاق بن ہشیم اور ابوعبداللہ الصقلی کے ساتھ مل کر اس کتاب کا ترجمہ کیا، البتہ بارہ دوائیں، جن کے عربی ناموں میں ان لوگوں کو شک تھا، وہ ترجمے سے رہ گئیں۔[14]

2- یہ بیان کرتے ہوئے کہ متن سے بعض اشیا کو حذف کرنا خیانت نہیں ہے، محمود محمود لکھتے ہیں:

> ''مترجم کا متن سے ایسے الفاظ کو حذف کرنا خیانت نہیں ہے، جن کے بارے میں اسے محسوس ہو کہ وہ مترجم الیہ زبان کے مذاق وثقافت سے میل نہیں کھاتے ہیں، مثلاً اصل عبارت میں کوئی ایسا لفظ ہو، جو قاری کی شرم وحیا کے خلاف ہو یا اس کے عقیدہ ومذہب کو ٹھیس پہنچائے، تو مترجم اس قسم کے الفاظ کو حذف کر سکتا ہے''۔[15]

3- ترجمے میں بعض ترمیم وتعدیل کی بھی گنجایش ہے۔ محمود محمود ہی کا قول ہے:

> ''یہ بھی جائز ہے کہ متن میں کچھ ترمیم وتعدیل کر دی جائے، جیسے کہ تربیتی مقاصد کے تحت بعض عبارات والفاظ کے معانی کو پھیلا دینا''۔[16]

3- تشریح واضافے کا شوق:

مذکورہ معترض ہی کا یہ بھی کہنا ہے کہ بیشتر مترجمین کی یہ عادت تھی کہ وہ ترجمے کے دوران بعض عبارتوں کی تشریح یا تنقید واضافہ کر دیتے تھے اور اس کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں کرتے تھے۔ اس سے بھی اس کا مقصد یہی ہے کہ وہ لوگ ترجمے کے عمل میں امانت دار نہیں تھے۔ علمی خیانت کا جواب تو ہم ابھی دے چکے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس طرح کے تمام اعتراضات حقیقت سے پرے، مترجمین کے نصوص سے عدمِ واقفیت اور خصوصاً ان نابغۂ روزگار افراد کے تئیں ان کے بغض وحسد پر مبنی ہیں، ان کا مقصد محض یہ ہے کہ ترجمے کے باب میں مسلمانوں کی خدمات کا انکار کیا جائے اور ان کی عزت ووقار کو نشانہ بنایا جائے۔

4- موضوع پر قادر نہ ہونا:

بعض مستشرقین کا کہنا ہے کہ عہد عباسی کے بیشتر مترجمین اس موضوع پر قادر نہیں ہوتے تھے، جس کی کتابوں کا وہ ترجمہ کرتے تھے؛ حالاں کہ یہ بھی ان کی واضح غلطی ہے؛ کیوں کہ وہ اپنے موضوعات سے مکمل آگاہی رکھتے اور ضروری معلومات سے پوری طرح باخبر ہوتے تھے۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

''مامون کی رتبہ شناسی سے مامونی عہد کے مترجم زبان داں ہونے کے علاوہ حکیم اور مجتہد الفن بھی تھے''۔ 17

ڈاکٹر توفیق الطویل کی بات ترجمہ نگاری کے اصول کے ذیل میں آچکی ہے۔ مزید توضیح کی غرض سے ''سوفسطیقا'' کی ابتدا میں مذکور تبصرے کا ذکر کیا جاتا ہے، اس کتاب کا ترجمہ ابوزکریا یحیٰ بن عدی نے کیا تھا۔ شیخ ابوالحسن بن سوار کہتے ہیں:

''جب ترجمہ نگار کے لیے متن کے مفہوم کو مترجم الیہ زبان میں ادا کرنے کے لیے صاحبِ متن کے جیسے تصورات وخیالات سے متصف ہونا، مترجم الیہ اور مترجم منہ زبانوں کے استعمال سے پوری طرح واقف ہونا ضروری تھا اور دوسری طرف راہب اتانس ارسطو کے معانی ومفاہیم کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا، تولامحالہ اس کے ترجمے میں خلل واقع ہونا تھا اور جب اتانس کی ترجمہ کردہ سریانی کتاب کا عربی ترجمہ مذکورہ بالا شخص نے کیا، تو مترجمین کو اس کی تفسیر کا علم نہیں ہوا اور ان سبھوں نے اپنے اپنے فہم وادراک پر بھروسہ کیا اور ان میں سے ہر ایک نے اپنی حد تک درست معنیٰ تک پہنچنے اور فلسفیٔ مذکور کی اصل مراد کو پانے کی کوشش کی اور اس کوشش میں انھوں نے اتانس کے ترجمے میں بھی تبدیلیاں کردیں، اسی وجہ سے ہماری خواہش ہوئی کہ اس کتاب کے تمام تراجم کو دیکھیں؛ تاکہ ان سب میں غور وتامل کیا جائے اور اصل معانی تک پہنچنے کے لیے ان سے مدد لی جائے۔ فاضل یحیٰ بن عدی نے اس کتاب کی تشریح کی تھی، جس کا اکثر حصہ میں دیکھ چکا تھا، میرے اندازے کے مطابق وہ سریانی وعربی زبان میں اصل کتاب کا دوثلث تھا، میرا خیال ہے کہ انھوں نے اپنی یہ شرح مکمل کرلی تھی، مگر وفات کے بعد ان کی کتابوں میں وہ نہیں مل سکی، تو میرے ذہن میں اس سلسلے میں مختلف قسم کے خیالات آنے لگے، مثلاً میں سوچنے لگا کہ ممکن ہے انھوں نے اس کتاب کو تلف کردیا ہو؛ کیوں کہ وہ انھیں اچھی نہیں لگی ہوگی یا انھوں نے کہیں سے اسے سرقہ کیا ہوگا، یہ خیال میرے دل میں زیادہ قوی تھا؛ کیوں کہ اس کتاب کا مذکورہ ترجمہ ان کی تفسیر سے قبل ہوچکا تھا، اسی وجہ سے ان کے ترجمے میں بعض غلطیاں راہ پاگئیں؛ کیوں کہ انھوں نے اصل معنیٰ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی تھی، بس سریانی نسخے کی اتباع کی تھی، ہمارے زمانے میں سریانی زبان میں اس کتاب کی ایک اور شرح اسکندر افرودیسی کی سامنے آئی، جس کے شروع کی ایک کاپی

ناقابلِ استفادہ ہے اور کچھ ہی حصہ صحیح سالم ہے، مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسحاق بن ابراہیم بن بکوش نے اس کتاب کا سریانی سے عربی زبان میں ترجمہ کیا تھا اور وہ ابوفتیلہ کے نام سے معروف یونانی پادری یوحنا کے ساتھ مل کر یونانی نسخے کو سامنے رکھ کر اس کے بعض مقامات کی اصلاح کر رہا تھا، مگر میرے پاس وہ کتاب ابھی نہیں پہنچی ہے، اسی طرح ابوبشر رحمہ اللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے پہلے ترجمے اور اس کے بعد کے ترجمے کی بھی اصلاح کی تھی، مگر وہ بھی مجھے نہیں ملا ہے، میں نے یہ باتیں اس لیے لکھ دی ہیں کہ جسے بھی وہ نسخہ ملے، اس کے سامنے اصل صورت حال اور تحریری شکل میں میری جانب سے تمام تراجم کے اثبات کا سبب واضح رہے"۔

اس کے بعد انھوں نے ایک کتاب کے تین ترجموں کا مفصل ذکر کیا ہے۔[18]

5-زیادہ تر مترجمین کا غیر مسلم ہونا:

عہدِ عباسی کے تراجم پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اس دور کے بیشتر مترجمین غیر مسلم تھے؛ بلکہ اس سلسلے میں بعض لوگوں نے مبالغہ کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ مسلمانوں کا تو اس دور کی ترجمہ نگاری میں کوئی حصہ ہی نہیں ہے۔[19]

یہ بھی ایک تاریخی غلطی ہے؛ کیوں کہ قابلِ لحاظ تعداد میں مسلمانوں نے اس میدان میں جلیل القدر خدمات انجام دی ہیں، ان میں ابوسفیان بن بکر مقدسی، یوسف بن محمد نیشاپوری، ابوزید احمد بلخی، ابوالحارث، حسن بن سہل قمی، احمد بن محمد اسفرائی، طلحہ نسفی، محمد بن ابراہیم فزاری، سہیل بن ہارون بلاذری، محمد بن اسماعیل تنوخی، قاضی رکن الدین وغیرہ کے نام اہم ہیں، جن کا سوانحی کتابوں میں اس حوالے سے خاص تذکرہ ہے۔[20] البتہ ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ ترجمہ نگاری کے باب میں نصرانی، یہودی اور ہندو علما کی خاطر خواہ حصے داری ہے۔[21]

ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ مسلمان عربی مترجمین کی تعداد دیگر فرقوں سے کم اس لیے تھی کہ جو بھی اس فن کی خدمت کرتے تھے، وہ اخلاص سے کرتے تھے، ان کے پیشِ نظر اموال کا حصول، بادشاہوں کا تقرب یا مادی منفعتوں سے بہرہ ور ہونے جیسے مقاصد نہیں ہوتے تھے، جبکہ دوسرے لوگ زیادہ تر اس قسم کے لالچ کی وجہ سے بھی اس فن سے وابستہ

ہو جاتے تھے۔ڈاکٹر وسیم احمد اعظمی لکھتے ہیں:

> ''نصرانیوں کے بعد مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت سامنے آئی، جس کا مقصد مال و منصب یا مادی فوائد کا حصول نہیں تھا، انھوں نے ایسے رذیل مقاصد سے کنارہ کش ہو کر محض اس فن کی خدمت کو اپنا نصب العین بنایا تھا، اسی وجہ سے ہمیں اس جماعت کے اور دوسرے لوگوں کے تراجم میں صحت، وضاحت، دقتِ نظر، فنکاری اور حسن و جمال کے اعتبار سے واضح فرق محسوس ہوتا ہے''۔[22]

6- ہمارے زمانے میں عربی زبان کی تنگ دامانی:

بعض لوگوں کا اعتراض یہ بھی ہے کہ ہمارے زمانے میں عربی زبان نئے الفاظ و اصطلاحات اور جدید تعبیرات کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور اس کا دامن اس سلسلے میں بڑا تنگ ہے، مگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کا اعتراض سراسر بکواس ہے، اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے؛ کیوں کہ عربی زبان نے تو ہر زمانے میں اچھے غیر عربی الفاظ، اسالیب اور اصطلاحات کو قبول کیا ہے اور آج یہ پہلے سے زیادہ اس کے لیے آمادہ و مستعد ہے، یہ الگ بات ہے کہ اہلِ عرب سوئے ہوئے ہیں۔

حواشی:

1- فی تاریخ الطب فی الدولۃ الاسلامیۃ، ص:54

2- ایضا، ص:52-53

3- ایضا، ص:53۔اور اگر اگلوں کے ترجموں میں کوئی خامی رہ گئی تھی، تو بعد والوں نے ان کی اصلاح کی۔ ڈاکٹر عبدالرحمن مرحبا لکھتے ہیں: ''ابتدائی دور میں ترجمہ نگاری اس مقام پر نہیں تھی، جہاں وہ بعد کے دنوں میں پہنچی، یہ روایت پختہ و مضبوط ہونے سے قبل کئی ادوار، مراحل اور مشکلات سے گزری، غالباً اسی وجہ سے ابتدائی دور کے عربی تراجم کی صحت پر بہت سے حلقوں میں شبہ کیا جاتا اور اس دور کے مترجمین کی جدوجہد کو ہلکے میں لیا جاتا ہے؛ حالاں کہ سچائی یہ ہے کہ یہ بات بالکل ابتدائی دور کے ادنی درجہ کے مترجمین کے بارے میں تو درست ہو سکتی ہے، مگر بعد میں اس فن کے پختہ ہونے کے بعد اور اکابرِ فن پر کوئی شبہ نہیں کیا

جا سکتا، یوں بھی درست قدم اٹھانے سے قبل پھسلنا اور ادھر ادھر بھٹکنا ضروری ہوتا ہے اور کسی معاملے میں بہت زیادہ رایوں اور مشوروں کے دور سے گزر کر ہی صحیح اور درست رائے تک پہنچا جاتا ہے، تاریخ کی بڑی بڑی ایجادات و اکتشافات بہت ساری کوششوں، غلطیوں، مختلف قسم کی رایوں اور انجام سے بے پروا ہو کر قدم اٹھانے کے بعد ہی سامنے آتی ہیں''۔ من الفلسفۃ الیونانیۃ الی الفلسفۃ الاسلامیۃ، ص:314

4- تاریخ فی الدولۃ الاسلامیۃ، ص:53

5- مقالاتِ شبلی، ج:3،ص:11

6- رکۃ الترجمۃ واعلامہافی العصر العباسی، ص:20

7- عبد مامون کی طبی وفلسفیانہ کتب کے تراجم-ایک تحقیقی مطالعہ،ص:201

8- مقالاتِ شبلی، ج:6،ص:33-34

9- یون الانباء فی طبقات الاطباء، ص:281

10- قالاتِ شبلی، ج:3،ص:12

11- ایضا،ص:18

12- فی تاریخ الطب فی الدولۃ الاسلامیۃ، ص:54

13- ایضا،ص:53

14- بیت الحکمت کی طبی خدمات، ص:9

15- ندوۃ الترجمۃ والتنمیۃ الثقافیۃ، ص:20

16- ایضا

17- المامون، ص:125-126

18- من الفلسفۃ الیونانیۃ الی الفلسفۃ الاسلامیۃ، ص:316-317

19- مقالاتِ شبلی، ج:3،ص:2

20- ایضا

21- A Literary History Of The Arabs

22- بیت الحکمت کی طبی خدمات، ص:91

باب:15

عہدِ عباسی کے تراجم کی بعض خامیاں

چوں کہ انسان کامل ومکمل نہیں ہے؛ کیوں کہ صفتِ کمال تو محض اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے خاص ہے، اسی وجہ سے انسان کے اعمال بھی کسی موضوع کے ان تمام پہلوؤں کا احاطہ نہیں کر سکتے، جو ہمیں مطلوب ہوتے ہیں، اسی وجہ سے عہدِ عباسی کے تراجم باوجودیکہ بہت سی خوبیوں اور خصوصیات سے متصف ہیں، ان میں بعض اہم امور کو نظر انداز بھی کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے اس عہد کے تراجم میں چند خامیاں راہ پاگئی ہیں، سطورِ ذیل میں ان میں سے اہم خامیوں کی نشان دہی کی جاتی ہے:

1-نظریہ ترجمہ نگاری کا فقدان:

عہدِ عباسی میں بے شمار کتابوں کا ترجمہ کیا گیا، مگر اس کے باوجود ہمیں ایک بھی ایسی کتاب نہیں ملتی، جس میں ترجمے کے عمل کو نظریاتی حیثیت سے موضوع بنایا گیا ہو۔ ان مترجمین نے نہ تو دوسری زبانوں سے ترجمے کی مشکلات پر کچھ لکھا اور نہ ان اصول وضوابط پر کچھ خامہ فرسائی کی، جو انھوں نے ترجمہ نگاری کے دوران ملحوظ رکھے ہوں۔ ڈاکٹر یوئیل یوسف عزیز لکھتے ہیں:

> ''حالاں کہ عربوں نے بڑے وسیع پیمانے پر ترجمہ کیا، مگر انھوں نے اس موضوع پر نظریاتی وعملی اعتبار سے کچھ گفتگو نہیں کی اور نہ ترجمہ نگاری کے اسالیب واصول پر کچھ لکھا''۔[1]

ابو عثمان الجاحظ ہے، جس نے ترجمہ نگاری پر فنی ونظریاتی اعتبار سے کچھ تحریر کیا ہے، مگر اس نے بھی اس فن کے بہت سے دوسرے پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا ہے، البتہ اس نے جو کچھ بھی لکھا ہے، اس میں اس فن سے متعلق بہت سی اہم چیزیں آ گئی ہیں؛ لہذا ہمیں بہر حال اس کا مشکور ہونا چاہیے۔[2]

2- مختلف زبانوں کا سلسلہ:

جیسا کہ ہمیں گزشتہ تفصیلات سے معلوم ہو چکا ہے کہ بعض کتابیں کئی زبانوں سے گزرنے کے بعد عربوں تک پہنچیں۔ مثال کے طور پر اسحاق بن حنین نے بعض کتابوں کا پہلے یونانی سے سریانی زبان میں ترجمہ کیا اور پھر سریانی سے عربی زبان میں ترجمہ کیا۔[3] یہ عمل تو ایک حد تک درست اور مامون ہے، مگر جو ترجمے مختلف زمانوں میں مختلف زبانوں میں مختلف لوگوں کے ذریعے کیے گئے، ان کا ردوبدل اور ترمیم وتغییر سے محفوظ ہونا بڑی حد تک مشکل ہے۔ جیسے کہ ایک کتاب ''کلیلہ ودمنہ'' کو لے لیں، یہ کتاب اصلاً سنسکرت زبان میں لکھی گئی تھی، پھر اس کا سب سے پہلے تبتی زبان میں ترجمہ ہوا، پھر تبتی سے قدیم فارسی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور اس قدیم فارسی ترجمے کا عربی ترجمہ کیا گیا۔[4] ایسی صورت میں ایک کتاب کے ان مختلف تراجم میں غلطیوں یا کم از کم اختلافات کا واقع ہونا تو یقینی ہے۔ ہم نے خود اس کے فارسی نسخے کو عربی ترجمے سے ملا کر پڑھا، تو معلوم ہوا کہ دونوں میں بہت زیادہ اختلافات اور حذف واضافے پائے جاتے ہیں، پس ہمارے خیال میں ترجمے سے ترجمہ کرنا غیر محفوظ عمل تھا اور اس کی وجہ سے غلطیوں اور اختلافات کے وقوع کا زیادہ سے زیادہ احتمال تھا۔[5]

3- یونانی تراجم میں ادبی کتاب کا فقدان:

ایک قابلِ لحاظ امر یہ بھی ہے کہ عہدِ عباسی میں بہت سی یونانی کتابوں کے ترجمے

ہوئے، مگر ان میں ایک بھی ادبی کتاب نہیں ملتی۔ اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں، مثلاً:

1- یہ کہ فلسفہ اور علوم وفنون کا دائرہ آفاقی ہوتا ہے، جبکہ کسی ملک کا ادب خاص اس ملک کے پس منظر میں تخلیق کیا جاتا ہے اور عرب والے دوسری قوموں اور ان کے ادب کو اپنے مقابلے میں ہیچ سمجھتے تھے، ان کی قومیت کی حس نہایت شدید تھی؛ لہذا وہ دوسروں کے ادب کا ترجمہ کیوں کر کرتے۔[6] جہاں تک فارسی ادب کے ترجمے کا معاملہ ہے، تو اس کے لیے انھیں فارسیوں نے اپنے خاص مقصد کے تحت آمادہ کر لیا تھا، جس کا تذکرہ ماقبل میں کیا جا چکا ہے۔[7]

2- ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یونان کا ادبی ذوق مشرکانہ تھا، جبکہ عربی ادب کا ذوق اس وقت اسلامی سانچے میں ڈھلا ہوا تھا؛ لہذا ان کا مشرکانہ ادب کو اپنانا مشکل تھا۔[8]

3- ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اہلِ عرب قدیم جاہلی ادب سے کسی طور دست بردار نہیں ہونا چاہتے تھے، قدیم روایات کی پاسداری ان کے نزدیک ایک مقدس روایت کا درجہ رکھتی تھی۔ اس کی بہترین مثال کے طور پر ہم ابن قتیبہ کی اس بات کو پیش کر سکتے ہیں، جو انھوں نے ''طبقات الشعرا'' میں لکھی ہے:

> ''بعد کے شعرا کے لیے ان اقسام میں متقدمین کی روایت سے بغاوت کرنا درست نہیں ہے؛ لہذا وہ کسی آباد گھر یا پختہ وعالیشان عمارت کے پاس (اپنی شاعری میں) کھڑے نہیں ہو سکتے؛ کیوں کہ ان کے پیش رو تو ہمیشہ ویران گھر اور بے نقش مکانات کے آس پاس ہی پائے گئے، نہ وہ گدھے یا خچر کی سواری کر سکتے ہیں، نہ شاعری میں ان کے اوصاف بیان کر سکتے ہیں؛ کیوں کہ ان کے پیش رونے تو اونٹوں اور اونٹنیوں کی سواری کی تھی، نہ یہ شیریں چشمۂ جاری سے گزر سکتے ہیں؛ کیوں کہ ان کے متقدمین تو بے آب و گیاہ مقامات سے گزرا کرتے تھے، نہ اپنے معشوق کو نرگس، آس وگلاب کے پھول پیش کر سکتے ہیں؛ کیوں کہ ان کے اسلاف نے پھولوں اور پودوں کو کاٹنے اور توڑنے سے روکا ہے۔ خلف الاحمر کہتا ہے: مجھ سے ایک کوفی بزرگ نے کہا کہ: تمھیں شاعر کا

قول:أنبت قيصوماً و جنجاثا، عجیب نہیں لگا، جسے برداشت کیا گیا حالاں کہ میں نے:أنبت إجاصاو تفاحا، کہا تو مجھے برداشت نہیں کیا گیا''۔[9]

4-ایک وجہ یہ بھی تھی کہ فارسی زبان عربیت کے سانچے میں ڈھل گئی تھی؛ کیوں کہ فارسی عربوں کے پڑوس کی زبان تھی؛ چنانچہ انھوں نے اسے قریب سے دیکھا اور برتا تھا، جب کہ یونانی معاشرہ ان سے بہت دور تھا، جس کی وجہ سے اس زبان اور اس کے ادب سے وہ کما حقہ آشنا نہیں تھے۔[10]

لیکن اگر اس کے باوجود وہ یونانی یا فارسی زبان کے علاوہ دیگر معاصر زبانوں کے ادب کا ترجمہ کرتے، تو انھیں بہت سی کام کی چیزیں مل سکتی تھیں۔[11]

حواشی:

1- فن الترجمۃ، ص:32

2- ایضا، ص:33

3- شمس العرب تسطع علی الغرب، ص:186

4- ہارون الرشید، ج:2، ص:328

5 -ابوحیان توحیدی کی بھی یہی رائے ہے، اس نے اپنی کتاب ''مقابسات'' میں لکھا ہے: ''یونانی سے عبرانی، عبرانی سے سریانی اور سریانی سے عربی زبان میں ترجمہ کے عمل نے حقائقِ معانی کی خصوصیات میں خلل پیدا کر دیا، جو کسی پر مخفی نہیں ہے۔ اگر یونانی بیان واظہار اپنے خوب صورت اسلوب، وسیع معنویت، معجزانہ فنکاری اور وسعت پذیری کے ساتھ براہِ راست عربوں کے دل میں اترتا، تو یونانی حکمت ودانش ہمارے پاس بلا کسی ملاوٹ اور بغیر کسی کمی بیشی کے پہنچتی، اگر ہم ان اوائلِ مصنفین کی زبان کو خود سمجھتے، تو یہ پیاسوں کے لیے سیرابی کا باعث ہوتا، ہمارے لیے فہم ودانش کی کشادہ راہیں ہموار کرتا اور منزل رسا ثابت ہوتا''۔ (التفکیر الفلسفی فی الاسلام، ج:2، ص:73)۔ حالاں کہ علامہ شبلی نعمانی نے اس موضوع پر مفصل روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''گو ہم اس امر (ترجمے سے ترجمہ کرنے میں غلطیوں کے امکان کو) کو کسی قدر تسلیم کرتے ہیں اور نہ صرف اسی بنا پر؛ بلکہ اس وجہ سے بھی کہ ترجمہ گو کتنا ہی عمدہ ہو، تاہم یہ دعویٰ نہیں ہو سکتا

ہے کہ اصل مطلب بالکل پورا پورا ادا ہو گیا؛ لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس قسم کی غلطیوں نے اسلامی تصنیفات پر کوئی محسوس اثر پیدا نہیں کیا۔ مسلمان فلاسفر، یونانی فلاسفروں کی اصلی غلطیوں کے درست کرنے والے تھے، ان جزئی غلطیوں سے ان پر کچھ اثر نہیں ہو سکتا تھا''۔(مقالات شبلی، ج:3،ص:18-19)

6- ضحیٰ الاسلام، ج:1،ص:281

7- من الفلسفۃ الیونانیۃ الی الفلسفۃ الاسلامیۃ، ص:312

8- ضحیٰ الاسلام، ج:1،ص:281

9- فجر الاسلام، ص:137

10- ایضا

11- الدوائر المتداخلہ، ص:42

باب:16

عہدِ عباسی کے چند اہم مترجمین

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ عصرِ عباسی میں ترجمہ کرنے والوں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی، ان سب کا فرداً فرداً اور تفصیلی تذکرہ یہاں ممکن نہیں ہے، البتہ ہم عہدِ عباسی کے بعض نمایاں ترجمہ نگاروں کی زندگی اور نا قابلِ فراموش کارناموں کی مختصر جھلکیاں پیش کرتے ہیں:

1-حنین بن اسحاق عبادی:

اس کا مکمل نام ابوزید حنین بن اسحاق عبادی ہے، 194ھ میں پیدائش ہوئی، ابتدائی تعلیم حیرہ میں حاصل کی، پھر بصرہ منتقل ہو گیا، وہاں خلیل بن احمد بصری سے عربی زبان و ادب کی تعلیم حاصل کی۔

عربی زبان و ادب اور شاعری کا علم حاصل کرنے کے بعد علمِ طب کے حصول کی طرف متوجہ ہوا، طب کی تعلیم یوحنا بن ماسویہ سے حاصل کی؛ لیکن بار بار مشکل سوال پوچھنے کی وجہ سے استاذ اس سے ناراض ہو گیا اور اسے اپنی درس گاہ سے نکال دیا۔[1] وہاں سے نکلنے کے بعد وہ روم گیا اور یونانی زبان سیکھی اور اس کے بعد وہ خود طب کی کتابیں پڑھ اور سمجھ سکتا تھا، پھر وہ اسکندریہ چلا گیا، وہاں فارسی اور سریانی زبان سیکھی، پھر اس کے بعد بغداد لوٹا اور

لوٹنے کے بعد ایک کتاب ''کتاب الجوامع'' کے نام سے لکھی، جسے دیکھ کر اس کا استاذ خوش ہوا، اس کی ناراضگی دور ہو گئی اور استاذ و شاگرد کے خوشگوار تعلقات بحال ہو گئے۔

اس کی عملی زندگی کا آغاز دربارِ خلافت سے ہوا، اس نے مامون سے رابطہ کیا، جبرئیل بن بختیشوع کے واسطے سے دربارِ خلافت میں رسائی حاصل ہوئی۔[2] اور مختلف ممالک سے آنے والی کتابوں کے ترجمے کے کام پر لگایا گیا۔ ڈاکٹر احمد امین لکھتے ہیں:

> ''تعلیم سے فراغت کے بعد اس نے پہلے پہل مامون سے رابطہ کیا؛ چنانچہ اس کا بیت الحکمت میں تقرر کر لیا گیا، جہاں ایشیائے صغیر و قسطنطنیہ سے حاصل کی ہوئی بہت سی یونانی کتابیں جمع تھیں؛ چنانچہ اس نے ان کتابوں کا پہلے یونانی سے سریانی اور سریانی سے عربی زبان میں ترجمہ کرنا شروع کیا، مامون کے بعد اس نے معتصم، واثق اور متوکل کے دورِ حکومت میں بھی یہ کام کیا اور وہ بیت الحکمت تک ہی محدود نہیں تھا؛ بلکہ اس نے سرکار کے زیر اہتمام نادر کتابوں کے حصول کے لیے شام، اسکندریہ اور روم تک کے اسفار بھی کیے''۔[3]

حنین عہدِ عباسی کے نمایاں ترین اور ماہر مترجمین میں سے ایک تھا، اس نے ترجمہ نگاری کے اصول طے کیے اور اس کے ابتدائی طریقہ ہائے کار وضع کیے اور خود بہت سی کتابوں کا ترجمہ کرنے کے علاوہ اپنی نگرانی میں مترجمین کی ایک جماعت سے ترجمہ نگاری کا کام لیا۔ احمد امین لکھتے ہیں:

> ''وہ خود بھی ترجمہ کرتا تھا اور ایک جماعت کی نگرانی کرتا تھا، جو اس کے زیر ہدایت کام کرتی تھی، متوکل نے ماہر علمائے مترجمین کی ایک ٹیم تیار کی تھی، جو ترجمہ اور ترجمہ شدہ مواد کی تصحیح و اصلاح کا کام کرتی تھی، اس میں اصطفان بن باسیل، موسی بن خالد ترجمانی اور یحی بن ہارون جیسے لوگ شامل تھے۔ حنین خود بہت زیادہ ترجمہ کرتا اور خوب لکھتا تھا، کبھی کبھی وہ ترجمہ شدہ مواد کی تشریح بھی کرتا، طویل عبارتوں کی تلخیص کرتا اور پہلے سے موجود تراجم کی اصلاح بھی کیا کرتا تھا، بہر حال یہ دور خالص اور دائمی علمی تحرک کا دور تھا''۔[4]

اس کے ترجمے کی عمدگی و دل نشینی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''حنین بن اسحاق کا ترجمہ عمدہ اور دقتِ نظر کا حامل ہے، اس کے ترجمے کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ محض سچی محنت و کاوش ہی کا ثمرہ نہیں؛ بلکہ عربی زبان اور اس کے اسالیب سے کامل آگاہی کا نتیجہ ہے، یونانی و عربی اسالیب میں موافقت پیدا کرنے اور اختصار کے ساتھ متن کا معنی بیان کرنے کی مہارت کی صورت میں اس کی یہ خوبی واضح ہو کر سامنے آتی ہے، یہ حنین کی فصاحت و بلاغت کے امتیازات ہیں، جن کی وجہ سے اسے شہرت ملی''۔[5]

اس کی تمام تالیفات و تراجم کا تفصیلی تذکرہ یہاں مشکل ہے، صرف چند اہم کتابوں کے نام ذکر کیے جاتے ہیں:

1۔ کتاب الفصول

2۔ کتاب الکسور

3۔ کتاب علل النساء

4۔ کتاب فی الفرق

5۔ کتاب فی المزاج

6۔ کتاب فی تشریح العین

7۔ کتاب السیاسۃ

8۔ انولوطیقا

9۔ الکون والفساد

10۔ کتاب الاخلاق

حنین بن اسحاق نے مختلف عباسی خلفا کے ادوار میں اپنی خدمات پیش کیں اور 264ھ (877-78ء) میں ستر سال کی عمر میں اس کی وفات ہوئی۔

2-قسطا بن لوقا بعلبکی :

اس کی پیدائش 205ھ (21-820ء) میں دینۃ الشمس میں ہوئی، عیسائی تھا، روم جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کی، یہ طب، ہندسہ، اعداد اور موسیقی جیسے علوم وفنون میں مہارت رکھتا تھا اور حنین بن اسحاق کا ہم رتبہ تھا۔ یونانی، سریانی اور عربی زبانوں کا ماہر تھا۔ اس کی بھی عملی زندگی مامون کے دربار سے شروع ہوئی، اس نے بہت سی یونانی کتابوں کا عربی ترجمہ کیا اور بہت سے پرانے تراجم کی اصلاح کی۔ اس کے بارے میں ''عیون الانباء فی طبقات الاطباء'' میں لکھا ہے:

> ''قسطا نے بہت سی یونانی کتابوں کا عربی ترجمہ کیا، وہ ایک بہترین مترجم اور فصیح یونانی، سریانی وعربی زبانوں سے واقف تھا، اس نے بہت سے قدیم تراجم کی اصلاح بھی کی۔ وہ خود یونانی النسل تھا، اس نے طب وغیرہ کے موضوع پر بہت سے رسالے اور کتابیں لکھیں، شستہ نگار اور خوب صورت اسلوب کا مالک تھا، ابن الندیم بغدادی نے لکھا ہے کہ قسطا بہت سے علوم کا ماہر تھا، یونانی زبان میں فصیح وبلیغ اور عربی زبان کا بہترین انشا پرداز تھا''۔ [6]

اس نے متعدد کتابیں تصنیف کیں اور جالینوس، روفس، ارسطرخس، افلاطون، اسقلاؤس، فلوطرخس، تھاؤزسیوس وغیرہ حکمائے یونان کی کتابوں کے ترجمے کیے۔ اس کی چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں:

1۔ کتاب الفلاحۃ الرومیۃ
2۔ کتاب المساکن
3۔ کتاب الاکر
4۔ کتاب المطالع
5۔ کتاب جرمی النیرین
6۔ تحریم الدفن
7۔ رسالۃ فی النبیذ

8۔ اصول الہندسۃ

9۔ کتاب الآراء الطبیعیہ

10۔ کتاب الاجرام والابعاد

اخیر عمر میں اسے آرمینیا کے حاکم سنحاریب نے اپنے ہاں بلالیا تھا، وہیں تقریباً 300ھ (912ء) میں اس کی وفات ہوئی۔

3- حبیش بن حسن الاعسم دمشقی:

یہ حنین بن اسحاق عبادی کا بھانجا تھا، پیدائش دمشق میں ہوئی، مذہباً عیسائی تھا، اس کی تعلیم وتربیت ماموں حنین بن اسحاق کے ہاتھوں انجام پائی؛ چنانچہ یہ بھی ماموں کی طرح یونانی وسریانی اور عربی زبانوں کا ماہر ہوگیا اور اسی کی طرح تصنیف وتالیف اور ترجمے کا مشغلہ اختیار کیا، یہ نہایت ذہین وزیرک تھا، اس کی ذہانت کی تعریف خود اس کا ماموں کرتا تھا۔ ابن ابی اصیبعہ لکھتے ہیں:

"حنین بن اسحاق کہا کرتا تھا کہ حبیش ذہین اور سمجھ دار ہے، مگر اپنی ذہانت کے بہ قدر محنت سے کام نہیں لیتا، ذہین وذکی ہونے کے باوجود سستی کا مظاہرہ کرتا ہے"۔[7]

ابن ندیم نے بھی اس کی تعریف کی ہے۔[8] وہ اسے تمام ترجمہ نگاروں پر ترجیح دیتے ہیں، حنین نے ترجمہ نگاروں کی جو انجمن بنائی تھی، اسے اس انجمن کا سربراہ مقرر کیا تھا۔ اس نے اپنے ماموں کے انتقال کے بعد اس کے چھوڑے ہوئے علمی کاموں کو مکمل کیا۔

وہ ایک ماہر ترجمہ نگار تھا اور اس کا اسلوب اپنے ماموں سے ملتا جلتا تھا، اسی وجہ سے اس کے ذریعے کیے گئے بہت سے علمی کام بعد کے دنوں میں اس کے ماموں کی طرف منسوب ہوگئے اور لوگوں نے اسے بھلا دیا، علمی حوالوں سے اسے وہ شہرت نہ مل سکی، جس کا وہ واقعی حق دار تھا۔

اس نے معتدبہ کتابوں کا ترجمہ کرنے کے ساتھ کئی کتابیں تصنیف بھی کیں۔ ذیل میں

اس کی چند کتابوں کے نام دیے جاتے ہیں:

1۔ کتاب الجنین

2۔ کتاب تقدمۃ المعرفۃ

3۔ کتاب العضل

4۔ کتاب فی العلل والاعراض

5۔ کتاب فی النبض

6۔ کتاب حیلۃ البرء

7۔ کتاب تشریح الرحم

8۔ کتاب فی العادات

9۔ کتاب فی خصب البدن

10۔ کتاب الاخلاق

اس کی وفات 300ھ (912ء) میں ہوئی۔

4- ابوالحسن ثابت بن قرہ الحرانی:

پورا نسب نامہ ثابت بن قرہ بن مروان بن ثابت حرانی ہے، یہ صابی مذہب سے تعلق رکھتا تھا، اس کی تاریخِ پیدائش میں اختلاف ہے، کسی نے 220ھ، کسی نے 211ھ اور کسی نے 219ھ لکھی ہے۔ اس کی ولادت حران میں ہوئی اور ابتداءً اس نے صرافی کا خاندانی پیشہ اختیار کیا، اسی دوران تعلیم بھی جاری رکھی اور ریاضیات و فلسفے کا علم حاصل کیا، چوں کہ وہ دین و مذہب کے اعتبار سے آزادروی کا عادی تھا؛ اس لیے اس کے گاؤں والے اس کے درپے آزار ہو گئے، حتی کہ معاملہ اس کے خلاف مقدمہ بازی تک پہنچ گیا، یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔[9]

اس کے گاؤں میں ہی ایک شخص محمد بن موسی بن شاکر رہتا تھا، جو ترجمہ نگاری کے

حوالے سے شہرت رکھتا تھا، اس سے ثابت بن قرہ کی ملاقات ہوئی، بات چیت ہوئی، تو محمد بن موسیٰ کو لگا کہ یہ شخص باصلاحیت ہے؛ چنانچہ اس نے اسے خلیفہ معتضد سے ملوایا، خلیفہ اس کے علم و فضل سے متاثر ہوا اور اسے دربار کے نجومیوں میں شامل کرلیا گیا، خلیفہ اس سے بے پناہ محبت کرتا تھا، اس کی تعظیم و احترام کرتا تھا۔ ابن ابی اصیبعہ[10] اور صاعد بن احمد اندلسی نے بھی اس کی تعریف کی ہے۔[11]

اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں، ان سے قطعِ نظر کرتے ہوئے اس کے بعض تراجم کے نام ذکر کیے جاتے ہیں:

1۔ شرح کلام ارسطو
2۔ مقالۃ قوس قزح
3۔ کتاب المخروطات
4۔ کتاب قطع الخطوط النسبیۃ
5۔ تفسیر کتاب التسطیح
6۔ کتاب الکیموس
7۔ کتاب فی اعتقاد الطبیب
8۔ مایعقدہ رأیا
9۔ کتاب الجغرافیہ

اس نے بہت سے تراجم کی اصلاح و تصحیح بھی کی، ان میں سے بعض یہ ہیں:

1۔ اصول الہندسۃ
2۔ کتاب الظاہرات
3۔ کتاب اختلاف المناظر
4۔ کتاب المعطیات

5۔ کتاب القسمۃ

6۔ کتاب المجسطی

7۔ شرح باری ارمنیاس

8۔ شرح السماع الطبیعی

اس کی وفات 288ھ (901ء) میں ہوئی۔

5- اصطفن بن بسیل (باسیل):

یہ شخص رومی الاصل تھا، عہدِ عباسی کے نمایاں ترجمہ نگاروں میں شمار ہوتا ہے، یونانی و عربی دونوں زبانوں کا ماہر تھا، اس کا سنِ پیدائش نامعلوم ہے۔ ترجمہ نگاری میں اتنا ماہر ہو گیا تھا کہ اس کے اور حنین بن اسحاق کے ترجمے میں غیر معمولی مشابہت ہوتی تھی۔ ''عیون الانباء فی طبقات الاطباء'' کے مصنف نے لکھا ہے:

> ''اصطفن بن بسیل ترجمہ نگاری میں حنین بن اسحاق کا ہم رتبہ تھا، البتہ حنین کی عبارت زیادہ واضح اور فصیح ہوتی تھی''۔[12]

ویسے اصطفن حنین کے سعادت مند شاگردوں میں تھا، متوکل کے زمانۂ خلافت میں اس کی شہرت عالمگیر سطح پر پھیل گئی تھی، پہلی بار اسی نے دیسقوریدس کی کتاب کا ترجمہ کیا۔

اس نے بہت سی کتابیں لکھیں، اسی طرح بہت سی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا، چند کے نام حسبِ ذیل ہیں:

1۔ حرکات الصدر والرئۃ

2۔ کتاب علل النفس

3۔ کتاب المرۃ السوداء

4۔ کتاب الحاجۃ الی النفس

5۔ کتاب الادویۃ

6۔ کتاب الفصد

7۔ کتاب الامتلاء

8۔ کتاب عدد المقاییس

9۔ کتاب حرکۃ العضل

10۔ کتاب الحشائش

سنِ پیدائش کی طرح اس کی وفات کے سال کا بھی ذکر نہیں ملتا ہے۔

6- حجاج بن یوسف بن مطر:

اسے حکومت میں محاسب و منشی کے مناصب حاصل تھے، دوسرا منصب علمی اعتبار سے بھی اہم تھا کہ اس کے لیے متعدد علوم و فنون میں مہارت ضروری سمجھی جاتی تھی۔ اسے بیت الحکمت میں بھی بڑی ذمے داری دی گئی تھی، اسی کی طرف سے اسے کتابوں کے حصول کے لیے روم کے دور دراز کے شہروں میں بھیجا گیا اور وہ وہاں سے مختلف علوم و فنون کی بہت سی کتابیں لے کر لوٹا۔

یونانی، سریانی، عربی و لاطینی زبانوں میں مہارت رکھتا تھا، ترجمہ و تعریب کے شعبے میں بھی اس کی مقبولیت و شہرت کا ستارہ بلند تھا۔ ''عیون الانباء فی طبقات الاطباء'' میں لکھا ہے:

> ''اس نے مامون کی ہدایت پر بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا، اس کی مترجم کتابوں میں اقلیدس بھی شامل ہے، اس کے ترجمے کی اصلاح بعد میں ثابت بن قرہ حرانی، ابن ناعمہ (عبدالمسیح بن عبداللہ حمصی الناعمی) نے کی۔ حجاج بن یوسف کا ترجمہ اوسط درجے کا، ٹھیک ٹھاک ہوتا تھا''۔ 13

اس نے اقلیدس کے علاوہ بطلیموس اور ارسطو کی کتابوں کا بھی ترجمہ کیا، مگر افسوس ہے کہ اصحابِ سوانح نے اس کے بہت کم تراجم کا ذکر کیا ہے، ان کے نام یہ ہیں:

1۔ کتاب العناصر

2۔ کتاب المجسطی

3۔ کتاب الاصول

4۔ کتاب المرۃ

اس کی وفات 170ھ اور 218ھ کے درمیان کسی سال میں ہوئی۔

7- ابراہیم بن الصلت:

یہ حنین کا معاصر تھا، اس کے ساتھ بیت الحکمت میں ترجمے کا کام کرتا تھا، یونانی، سریانی، عربی و لاطینی زبانوں کا ماہر تھا، عموماً یونانی بان سے سریانی، عربی اور لاطینی زبانوں میں ترجمے کرتا تھا۔ ''عیون الانباء فی طبقات الاطباء'' میں اس کے بارے میں لکھا ہے:

''اوسط درجے کا مترجم تھا، مقام و مرتبے میں سرجیس کے بعد آتا ہے''۔[14]

اس نے جالینوس کی متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا۔ اس کے تراجم میں سے چند یہ ہیں:

1- کتاب الاورام

2- صفات صبی یصرع

3- اختصار کتاب جالینوس فی حیلۃ البرء

اس کی وفات کا سن معلوم نہیں ہوسکا۔

8- ابوعثمان سعید بن یعقوب دمشقی:

بغداد کے مشہور اطبا اور بیت الحکمت کے مترجمین میں سے ایک ہے، یونانی، سریانی، عربی اور لاطینی زبانوں کا ماہر تھا، اس نے طب اور حکمت کی متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا، زیادہ تر ترجمے معتضد باللہ کے وزیر علی بن عیسیٰ بن جراح کی ہدایت پر کیے، اسے علی نے اپنے ہسپتال کا نگراں مقرر کیا تھا، اس کے علاوہ وہ مدینہ، مکہ و بغداد کے کئی ہسپتالوں کا نگراں رہا۔

اس نے کئی کتابیں تصنیف کیں اور متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا، ان میں سے کچھ یہ ہیں:

1- طوبیقا

2- طوبیقا (شرح امرینوس واسکندر)

3-الکون والفساد

4-السماع الطبیعی

5-کتاب المدخل الی القیاسات

6-کتاب الاصول

7-مقالۃ فی النبض (مشجرۃ)

8-مسائل جالینوس فی الاخلاق

اس کا سالِ وفات معلوم نہیں ہوسکا۔

9-ایوب الرہاوی:

یہ شخص بھی یونانی، سریانی، لاطینی وعربی زبانوں کا ماہر تھا، مشہور اطبا و مترجمین میں سے ایک تھا، ترجمہ نگاری میں حنین کا ہم پلہ تھا، غالباً اسی وجہ سے اس کی کما حقہ قدر نہیں کی گئی، وہ ایک عمدہ اور بہترین ترجمہ نگار تھا، جالینوس کی کتابوں کے تراجم میں حنین اور سرجیس کے بعد اسی کے تراجم قابلِ اعتماد ہیں۔

متعدد کتابیں لکھیں اور کئی کتابوں کا ترجمہ کیا۔اس کے چند تراجم یہ ہیں:

1-کتاب الحیلۃ لحفظ الصحۃ

2-تفسیر کتاب العضل

3-تفسیر کتاب جراحۃ الرأس

4-کتاب فی سوء المزاج المختلف

5-کتاب الصناعۃ الطبیۃ

6-کتاب الحیوان

7-کتاب تشریح العین

8-کتاب فی الادویۃ المفردۃ

9-تفسیر کتاب الامراض الحادۃ

10- کتاب التریاق

اس کی وفات کا سال بھی نامعلوم ہے۔

10- یوحنا بن بطریق:

اس کی کنیت ابوزکریا ہے، یہ ان مترجمین اور اہلِ علم میں سے ایک تھا، جنھیں روم سے علمی کتابوں کی خریداری وحصول کے لیے بھیجا گیا تھا۔[15] اس سے اس کی علمی اہمیت اور قدرو قیمت کا پتا چلتا ہے؛ کیوں کہ کتابوں کا انتخاب، ان کے عمدہ یا غیر عمدہ ہونے کا فیصلہ اور ان کا ترجمہ وہی کرسکتا ہے، جو خود صاحبِ علم وفضل ہو۔

یہ شخص یونانی، سریانی، عربی اور لاطینی زبانوں کا ماہر تھا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ اچھا ترجمہ نگار نہیں تھا۔[16] لیکن مجھے یہ بات درست نہیں لگتی؛ کیوں کہ جو شخص چار چار زبانوں کا ماہر ہو، وہ صحیح اور فصیح زبان میں کسی کتاب کے معنی ومراد کو بیان کرنے پر قادر کیوں کر نہیں ہوسکتا؟!

یوحنا کو فلسفہ اور فلسفے کی کتابوں سے غیر معمولی شغف تھا؛ چنانچہ اس نے بقراط اور جالینوس کی کئی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ ویسے اس نے متعدد کتابیں تصنیف کیں، جبکہ ایک سے زائد مصنفین کی کتابوں کے ترجمے کیے، یہاں صرف اس کے چند تراجم کے نام درج کیے جاتے ہیں:

1- کتاب تقدمۃ المعرفۃ

2- کتاب طیماؤس

3- کتاب النفس

4- کتاب طبائع الحیوان

5- کتاب البرسام

6- کتاب التریاق

7- کتاب علل العین وعلاجها

8- کتاب الحیات والدیدان التی تتولد فی البطن

9- کتاب البقراط عن الموت

10- کتاب السموم

11- عبداللہ بن المقفع:

اس کا اصل نام رزبہ بن دازویہ تھا، فارسی النسل تھا، پیدائش لگ بھگ 724ء میں فارس کے ایک گاؤں ''جور'' (موجودہ فیروزآباد) میں ہوئی۔ شعور سنبھالنے کے بعد اس نے اسلام قبول کرلیا اور اپنا نام عبداللہ رکھا، کنیت ابومحمد ہے۔

اس نے فارسی زبان اپنے والد سے پڑھی، عربی دیہات کے ماہرینِ زبان اور آلِ اہتم سے حاصل کی، جس کا وہ غلام تھا، آل اہتم زبان و بیان کے حوالے سے فصیح و بلیغ سمجھے جاتے تھے؛ چنانچہ عبداللہ بن المقفع نے ان سے فصیح زبان سیکھی، حتی کہ وہ خود اپنی فصاحت و بلاغت میں مشہور ومتعارف ہوگیا؛ چنانچہ وزیروں نے اپنے یہاں اسے منشی رکھا۔ مشہور عربی انشا پرداز عبدالحمید الکاتب (وفات: 750ء) اس کے معاصرین میں تھے اور دونوں میں مضبوط تعلقات تھے۔

ابن المقفع نے فارسی سے عربی زبان میں کئی کتابوں کا ترجمہ کیا، اس کے تراجم میں فن کاری اور زبان و بیان کی خوب صورتی کا وصف نمایاں ہے، اس کے چند تراجم یہ ہیں:

1- خدای نامہ

2- آئین نامہ

3- مزدک

4- کلیلہ ودمنہ

5-الادب الصغیر

6-الادب الکبیر

7-الدرۃ الیتیمۃ

8-التاج

بعض روایات ہیں کہ اس نے منطق و فلسفے کی کتابوں کا بھی ترجمہ کیا، مگر کئی لوگوں نے اس سے انکار کیا ہے۔[17] بہر کیف ابن المقفع کے تراجم فن ترجمہ نگاری کا عمدہ نمونہ ہیں اور وہ اس باب میں امام کا درجہ رکھتا ہے۔

ابو جعفر منصور کی خلافت کے زمانے میں بصرہ کے حاکم سفیان بن معاویہ نے ذاتی عناد اور دشمنی کی وجہ سے اسے 775ء میں قتل کروا دیا، مرنے کے وقت اس کی عمر محض 36 رسال تھی۔

12-فضل بن نو بخت:

یہ ایران کا مشہور حکیم تھا، ہارون رشید کے زمانۂ خلافت میں اس کو شہرت ملی اور خلیفہ نے اسے بیت الحکمت کا مدیر بنا دیا، اس نے متعدد کتابیں لکھیں اور ہیئت و نجوم پر کئی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ فضل بن نو بخت فارسی سے عربی زبان میں ترجمہ کرتا تھا، مگر افسوس ہے کہ سوانح نگاروں اور مؤرخین نے اس کے ایک بھی ترجمے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ البتہ اس کی تالیفات و تصنیفات کا تذکرہ ملتا ہے، جن کے بارے میں سیر و سوانح اور تاریخ کی کتابوں میں معلومات مل سکتی ہیں۔

13-عمر بن فرخان الطبری:

اس کی کنیت ابو حفص ہے، فارسی النسل اور مشہور ترجمہ نگار، علم نجوم کا ماہر اور عظیم فلسفی تھا۔ یحی بن خالد برمکی نے اسے اپنے پاس بلایا اور فضل بن سہل نے خلیفہ ہارون رشید سے اس کا تعارف کروایا؛ چنانچہ اس نے عمر بن فرخان کو بیت الحکمت کے مترجمین میں شامل کر لیا۔ عیون الانباء فی طبقات الاطباء میں لکھا ہے کہ:

''یہ اس کے باصلاحیت ترجمہ نگار ہونے کی قوی دلیل ہے''۔

طبقات الحکماء میں لکھا ہے:

''اسلامی تاریخ میں ماہر ترجمہ نگار چار ہوئے ہیں: حنین بن اسحاق، یعقوب بن اسحاق کندی، ثابت بن قرہ حرانی اور عمر بن فرخان الطبری''۔[18]

عمر بن فرخان فارسی اور عربی زبانوں میں کامل دست رس رکھتا تھا، ابن الندیم نے ''الفہرست'' میں اس کا تذکرہ فارسی سے عربی زبان میں ترجمہ کرنے والوں میں کیا ہے، اسے فلسفے کی کتابوں کا ترجمہ کرنے کا شوق تھا، اسی وجہ سے اس زمانے کے وزرا اس کے بہت قدر شناس تھے۔

اس نے کئی کتابیں تالیف کیں، ساتھ ہی بہت ساری کتابوں کا ترجمہ کیا، مگر اصحابِ سوانح نے اس کے صرف تین تراجم کا ذکر کیا ہے:

1- المقالات الاربع لبطلیموس

2- کتاب المحاسن

3- کتاب اتفاق الفلاسفۃ واختلافہم فی الخطوط

اس کی وفات کا سال غیر معلوم ہے۔

14- موسیٰ بن خالد:

اس کا لقب ''ترجمان'' تھا، وہ ابو زید حنین بن اسحاق کے زیرِ نگرانی ترجمے کا کام کرنے والی جماعت کا حصہ تھا، یونانی، سریانی اور عربی زبانوں میں مہارت رکھتا تھا۔ البتہ سوانح نگاروں نے اسے اوسط درجے کے ترجمہ نگاروں میں شمار کیا ہے۔ ''عیون الانباء فی طبقات الاطباء'' کے مصنف نے لکھا ہے:

''میں نے اس کے سولہ سے زیادہ تراجم دیکھے ہیں، ان میں جالینوس وغیرہ کی کتابوں کے ترجمے بھی شامل ہیں، البتہ ترجمہ نگاری میں اس کا مقام حنین بن اسحاق جیسا نہیں؛ بلکہ اس کے قریب بھی نہیں ہے''۔[19]

لیکن یہ بات گلے سے نہیں اترتی؛ کیوں کہ جس شخص کا لقب ہی ''ترجمان'' ہو، وہ

اوسط درجے کا مترجم کیسے ہوسکتا ہے؟!

اس کی ترجمہ کردہ کتابوں میں دو بہت مشہور ہیں، ایک ''سرجیوس الرأس عینی'' اور ایک دوسری کتاب، اس کا سالِ وفات بھی نامعلوم ہے۔

15-عباس بن سعید جوہری:

عباس بن سعید الجوہری مشہور ریاضی داں اور مترجم تھا، وہ یونانی، سریانی، عربی اور فارسی زبانوں کا ماہر تھا، بیت الحکمت کا مترجم اور جیومیٹری کا ماہر تھا۔ اس نے مامون کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور متعدد کتابیں لکھیں، کئی کتابوں کے ترجمے بھی کیے، البتہ ذکر صرف ایک ترجمے (کتاب السموم) کا ملتا ہے، اس کا سالِ وفات بھی نامعلوم ہے۔

16-یعقوب بن اسحاق الکندی:

پورا نام ابو یوسف یعقوب بن اسحاق بن صباح الکندی ہے۔ اس کے والد مہدی، ہادی اور مامون رشید کے زمانۂ خلافت میں کئی اہم عہدوں پر فائز رہے۔ اس کی پیدایش 198ھ (14-813ء) میں ہوئی، ابتدائی تعلیم بصرہ میں حاصل کی، پھر بغداد منتقل ہوگیا اور وہاں اپنی تعلیم مکمل کی۔ طب، ریاضی، جیومیٹری، منطق، نجوم کا علم حاصل کیا اور یونانی، فارسی اور ہندی فکر و فلسفہ کے تمام شعبوں میں مہارت حاصل کی۔

معاصر خلفا میں اس کے بڑے چرچے تھے، یہ پہلا شخص ہے، جسے اسلامی تاریخ میں ''فیلسوفِ اسلام'' کا خطاب ملا، تصنیف و تالیف کے باب میں ارسطو کی اتباع کی اور فلسفہ و طب کے موضوع پر بے شمار کتابیں لکھیں، ایک جامع اور باکمال شخصیت کا حامل تھا اور مومنِ کامل تھا۔

اس نے فلسفے کی کئی ساری کتابوں کا ترجمہ کیا، جیسا کہ صاحبِ ''عیون الانباء فی طبقات الاطباء'' نے ذکر کیا ہے، مگر افسوس کہ سوانح نگاروں نے اس کے ایک بھی ترجمے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ البتہ اس سے اس کی قدر و منزلت میں کوئی کمی نہیں واقع ہوتی؛ کیوں کہ وہ

متفقہ طور پر اسلامی علمی تاریخ کے چار مشہور مترجمین میں سے ایک ہے۔ اس کے بہت سے مشہور شاگرد ہوئے ہیں، جن میں حسنویہ، سلمویہ، رحمسیہ اور احمد بن طیب کے نام اہم ہیں۔ اس کی وفات 247ھ (861ء) کے بعد کسی سال ہوئی۔

17- بلاذری:

اس کا پورا نام ابو جعفر احمد بن یحی بن جابر البلاذری ہے۔ مشہور اسلامی مؤرخ ہے، پیدائش تیسری صدی ہجری میں ہوئی، بغداد میں نشو ونما ہوئی، متوکل، مستعین اور معتز جیسے خلفا کے مقربین میں تھا، ایک بڑا شاعر، اہلِ قلم اور مؤرخ ہونے کے ساتھ بہترین مترجم بھی تھا۔ فارسی سے عربی زبان میں ترجمے کرتا تھا۔

اخیر عمر میں اس کی عقل مختل ہوگئی تھی اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اس نے دھوکے میں بلاذر نامی کھجور کی نبیذ پی لی تھی، اسی مناسبت سے اس کا لقب ہی بلاذری پڑ گیا اور مشہور ہو گیا۔ وفات 279ھ (892ء) میں ہوئی، اس کے تراجم نایاب ہیں، البتہ اس کی تالیفات عام اور مشہور ہیں۔

18- محمد بن ابراہیم الفزاری:

پورا نام ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم بن حبیب بن سلیمان بن سمرہ بن جندب الفزاری ہے، اسلامی تاریخ کے پہلے ماہر فلکیات ہیں۔ ابن الندیم ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"محمد بن ابراہیم الفزاری ایک اچھا لکھنے والے عالم ہیں"۔ [20]

خلیفہ منصور کے حکم سے "السند ہند" نامی کتاب کا ترجمہ انھوں نے ہی کیا تھا۔ [21]

ان کی وفات 796ء اور 806ء کے درمیان کسی سال میں ہوئی۔

19- منکہ ہندی:

یہ شخص ویدک طریقۂ علاج کا ماہر ایک ہندستانی صاحبِ علم تھا، ہندوستانی علوم وافکار کے سلسلے میں اس کی مرجعی حیثیت تھی، سنسکرت، فارسی اور عربی زبانوں میں مہارت رکھتا تھا۔

جب ہارون رشید بیمار ہوا اور عراق، مصر وایران کے حکما واطبا کے علاجوں کے باوجود اس کی صحت نہیں لوٹی، تو اس نے ہندوستان سے منکہ کو اپنے علاج کے لیے بلوایا، حسن اتفاق کہ منکہ کے علاج سے اس کی بیماری دور ہو گئی، خلیفہ خوش ہوا اور اسے بے پناہ انعام واکرام سے نوازا اور دربار میں شامل کر لیا۔ اس نے کئی کتابوں کا ترجمہ کیا، جن میں سے چند یہ ہیں:

1- کتاب السموم
2- چرک سنگتا
3- کتاب سسشرت
4- تفسیر اسماء عقاقیر الہند

اس کے سالِ وفات کا ذکر نہیں ملتا ہے۔

20- ابن دہن ہندی:

یہ بھی ہندستان کے مشہور اطبا وحکما میں سے ایک تھا، دہن پتی قبیلے سے اس کا تعلق تھا۔ یحیٰ بن خالد برمکی نے اسے بغداد بلوایا اور برامکہ کے ہسپتال کا سربراہ مقرر کر دیا تھا۔ یہ شخص طبی مہارت کے علاوہ ریاضی، سنسکرت اور عربی زبان میں بھی دست رس رکھتا تھا۔ اس نے ہندستانی علوم وافکار سمیت قدیم ویدوں کا بھی ترجمہ کیا تھا۔ اس کے چند تراجم یہ ہیں:

1- استانکر الجامع
2- کتاب سندستاق
3- کتاب المجسطی

21- گودر ہندی:

یہ شخص بھی اپنے زمانے کے مشہور حکما میں سے تھا، علمِ حکمت میں اسے درک حاصل تھا، اس موضوع پر اس نے کئی کتابیں تصنیف کیں، سنسکرت اور عربی زبانوں میں بھی مہارت رکھتا تھا، منکہ اور صالح بن بہلہ کے زمانے میں بغداد پہنچا اور مترجم کے عہدے پر رکھا گیا۔

البتہ سیر وسوانح کی کتابوں میں اس کے صرف ایک ترجمہ ''کتاب الموالید'' کا ذکر ملتا ہے۔ اس کا سالِ وفات بھی نا معلوم ہے۔

حواشی:

1- عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ص:275
2- تاریخ العلوم عند العرب، ص:193
3- ضحیٰ الاسلام، ج:1، ص:299
4- ایضا
5- ایضا، ص:301
6- ص:329
7- ایضا، ص:672
8- الفہرست، ص:86
9- الاعلام، ج:1، ص:81
10- عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ج:1، ص:215
11- طبقات الامم، ص:60
12- عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ص:181
13- ایضا، ص:280
14- ایضا، ص:282
15- عہد مامون کی طبی وفلسفیانہ کتب کے تراجم ایک تحقیقی مطالعہ، ص:222
16- حکماء الاسلام، ج:1، ص:73
17- دیکھیے: آثار ابن المقفع، ص:12، التراث الیونانی فی الحضارۃ الاسلامیۃ، ص:101-120
18- طبقات الحکماء، ج:1، ص:187
19- عیون الانباء فی طبقات الاطباء'' ص:281
20- الفہرست، ص:105
21- شمس العرب تسطع علی الغرب، ص:104

باب:17

عہدِ عباسی میں
ترجمہ، تحقیق وتصنیف کے چند اہم ادارے

عہدِ عباسی میں ترجمہ نگاری کی تحریک کو فروغ دینے کے حوالے سے بیت الحکمت سمیت دیگر کئی کتب خانوں اور بیمارستانوں (ہسپتالوں) نے بھی بہت اہم کردار ادا کیا؛ کیوں کہ ان تمام اداروں میں ترجمہ نگاری اور تصنیف وتالیف کے امور انجام پاتے تھے۔ ممکن ہے بعض لوگوں کو بیمارستان کے ترجمہ نگاری کے باب میں کردار ادا کرنے پر اعتراض ہو، تو آیندہ سطور میں اس کی تفصیل پڑھ کر اس دعوے کی صحت کا اندازہ ہو جائے گا اور اعتراض بھی دور ہو جائے گا۔

البتہ اس سے پہلے کہ ان اداروں، کتب خانوں اور بیمارستانوں کا ذکر کیا جائے، پہلے ان اسباب کا ذکر ضروری ہے، جن کے زیرِ اثر ان اداروں کا قیام عمل میں لایا گیا، ساتھ ہی تاریخ کی کتابوں میں ان کے ذکر کے اسباب، ان کتب خانوں کی شناخت کے اصول اور طریقہ کار اور ان کے علمی اثرات پر بھی روشنی ڈالی جائے گی:

عصرِ عباسی میں کتب خانوں کا قیام- اسباب وعوامل:

عباسی دورِ حکومت اس حوالے سے بھی ممتاز ہے کہ اس میں تقریباً ہر عالم وفاضل شخص کی اپنی ذاتی لائبریری ہوتی تھی اور ہر صاحبِ علم انسان کتابیں جمع کرنے اور ان کے مطالعے کا

خاص ذوق رکھتا تھا۔اس قسم کے شخصی کتب خانوں کے قیام کے کئی اسباب تھے، مثلاً:

1-اس عہد کے مختلف اہلِ علم وائمہ ٔ فقہ نے ایک دوسرے پر ان کی کتابوں کی روشنی میں تنقیدیں کیں، اسی طرح بعض لوگوں نے دوسروں کے رد میں کتابیں لکھیں، جیسے کہ امام اوزاعیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی ''کتاب السیر'' کے رد میں ایک کتاب لکھی، پھر امام اوزاعیؒ کی اس کتاب کا جواب امام ابو یوسفؒ نے ''الرد علی سیر الاوزاعی'' کے نام سے لکھا، اسی طرح امام ابو یوسفؒ نے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابن ابو لیلیٰؒ کے علمی اختلافات پر ایک کتاب "اختلاف أبي حنيفة و ابن أبي ليلى'' لکھی، اسی طرح امام محمدؒ نے امام مالکؒ کے رد میں ایک کتاب ''کتاب الحجۃ'' لکھی تھی۔ظاہر ہے کہ ایک دوسرے کے علمی وفقہی نظریات سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ہر وقت کتابوں کی ضرورت پڑتی ہوگی اور غالباً اسی وجہ سے اس زمانے کے تمام قابلِ ذکر اہلِ علم وفقہ کے پاس ذاتی کتب خانے ہوتے تھے، جہاں وہ اپنے موضوع ودلچسپی کی کتابیں جمع کر کے رکھتے تھے؛ تاکہ جب بھی کسی کتاب کی ضرورت پڑے، تو وہ دستیاب رہے اور فوراً اس سے استفادہ کیا جاسکے۔

2-بعض ائمہ ٔ علم وفقہ، جو ذاتی کتابیں حاصل نہیں کر سکتے تھے، وہ ضرورت پڑنے پر اپنے احباب، اساتذہ اور متعلقین اہل علم سے کتابیں عاریتاً بھی لے کر پڑھا کرتے تھے، جیسے امام احمد بن حنبل کو جب واقدی کی کتابوں کی ضرورت پڑی، تو انھوں نے وہ کتابیں ابن سعد سے حاصل کیں۔[1] اسی طرح امام شافعی نے امام محمد سے عاریتاً کتابیں لے کر پڑھیں۔[2] جبکہ امام مالک نے امام ابوحنیفہ سے کتابیں حاصل کر کے پڑھیں۔[3]

3-اس زمانے میں ائمہ ٔ علم وفن نے ایسا عمومی ماحول بنا دیا تھا کہ لوگ علم وکتاب سے غیر دلچسپی رکھتے تھے اور ہر شخص اپنے پاس کتابوں کا ذخیرہ اکٹھا کرنا چاہتا تھا۔امام شافعی امام ابوحنیفہ کے بارے میں کہتے ہیں:

''لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے محتاج ہیں''۔[4]

اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ لوگ امام ابوحنیفہ کی فقہی بصیرت اور علمی توسع سے استفادہ کرنے اور ان کے علوم سے فیض حاصل کرنے پر مجبور ہیں، جبکہ ایک مطلب یہ بھی ہے کہ امام موصوف کی علمی و فقہی تالیفات اور ذخیرۂ کتب سے استفادہ کرنا بعد کے دور کے ہر اہلِ علم کی مجبوری ہے۔

4- جس طرح آج کے دور میں کسی موضوع پر تحقیق کے لیے ریسرچ سکالرز مختلف شہروں کا سفر کرتے ہیں، مواد اور کتابیں حاصل کرتے ہیں، اسی طرح اس زمانے میں بھی اہلِ علم اور مصنفین مختلف موضوعات پر معلومات و مواد کے حصول کے لیے مختلف شہروں کا سفر کرتے اور اپنی دلچسپی کی کتابیں حاصل کرتے تھے۔ عصرِ عباسی میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، ان میں سے ایک کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔ علامہ سمعانی نے ابوسفیان یشکری معمری کے حوالے سے لکھا ہے:

> ''وہ معمری کی نسبت سے اس لیے مشہور ہوئے کہ انھوں نے معمر بن راشد صنعانی کی کتابوں کے حصول اور ان سے فن حدیث کا علم حاصل کرنے کے مقصد سے یمن کا سفر کیا تھا''۔ [5]

5- مختلف طلبہ اور مریدین نے اپنے اساتذہ و شیوخ کے خطبات و افادات کو جمع کر کے شائع کیا، بعض دفعہ ان کے اساتذہ یا شیوخ ان کی جمع کردہ تقریروں کی تصدیق کر کے ان پر اپنا دستخط بھی ثبت کر دیتے تھے۔ اس قسم کے امالی کو ''اصول'' کہا جاتا تھا۔ امام حاکم نیشاپوری نے ہارون بن احمد استر آبادی کے بارے میں لکھا ہے:

"صحیح الاصول، کثیر الحدیث"۔

(ان کے اصول / امالی درست ہیں، ان سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں)

6- مختلف اساتذہ و شیوخ نے اپنے شاگردوں کو اپنی کتابوں کی روایت کی اجازت دے رکھی تھی۔

7- بہت سے اساتذہ یہ چاہتے تھے کہ ان کے شاگرد اپنے ہاتھوں سے کتابیں لکھیں اور

انہی کو پڑھیں؛ چنانچہ اس طرح بھی انھوں نے بہت سی کتابیں لکھیں اور انھیں جمع کر کے رکھا۔

8- اس دور کا ماحول ایسا تھا کہ لوگوں کی دیکھا دیکھی بھی کتابیں جمع کی جاتیں اور ان کی حفاظت کی جاتی تھی اور اس طرح بھی بہت سے لوگوں کے پاس ذاتی کتب خانے اور ذخائرِ کتب ہوتے تھے۔

عہدِ عباسی میں ان کے ذکر کے اسباب:

عہد عباسی کی تاریخ وسوانح کی کتابوں میں مصنفین نے اس قسم کے کتب خانوں کا تذکرہ تین وجوہ سے کیا ہے:

1- کیوں کہ انھوں نے بہت زیادہ کتب خانے شمار کروائے، تو ان میں اس قسم کے کتب خانے بھی آ گئے۔

2- بعض خاص واقعے کے بیان کے ذیل میں ان کا تذکرہ آ گیا، جیسے مؤرخ محمد بن عمر الواقدی کے علمی اسفار کے ذیل میں اس قسم کے کتب خانوں کا ذکر ملتا ہے۔[6]

3- انھوں نے خلیفہ یا وزیر کی خواہش کی وجہ سے ایسا کیا۔

عصرِ عباسی کے کتب خانوں کی شناخت:

وہ مباحث اور اشارات، جن کے ضمن میں عصرِ عباسی کے کتب خانوں کا تذکرہ آیا ہے، وہ ان کی شناخت کے سلسلے میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ ذیل میں ان میں سے کچھ کا ذکر کیا جاتا ہے:

1- ایسے نام، جن میں ''خزانۃ''، ''بیوت''، ''مکتبۃ'' جیسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، جیسے ''الخزانۃ''، ''خزائن الکتب''، ''خزانۃ الحکمۃ''، ''خزانۃ العلوم''، ''دار الحکمۃ''، ''بیت الحکمۃ''، ''بیت الکتب''، ''بیوت الکتب''، ''المکتب''، ''دار المعرفۃ'' وغیرہ۔

2- کتابوں کے جمع کرنے، حاصل کرنے، تلاش کرنے، ان کا ترجمہ کرنے اور ان کی کتابت کرنے سے متعلق الفاظ وعبارات، جیسے:

"جمع مالم یجمع أحد من أقرانه"۔[7]

(اس نے اتنی کتابیں جمع کر رکھی تھیں کہ اتنی اس کے معاصرین میں سے کسی کے پاس نہیں تھیں)

"جمع من الکتب، مالم یجمعه غیره"۔[8]

(اس نے اتنی کتابیں اکٹھی کر لی تھیں کہ اس کے علاوہ کسی اور کے پاس اتنی کتابیں نہیں تھیں)

"جمع کتبا کثیرة"۔[9]

(اس نے بہت ساری کتابیں جمع کر رکھی تھیں)

"ابوبشرالفضل حریص علی اقتناء الکتب"۔[10]

(ابو بشر الفضل کتابیں جمع کرنے کا حریص تھا)

"جمع کتبا عظیمة"۔[11]

(اس نے کتابوں کا ایک عظیم ذخیرہ اکٹھا کر لیا تھا)

"جمع و کتب مالاینحصر"۔[12]

(اس نے لاتعداد کتابیں جمع کیں اور بے شمار کتابیں تالیف کیں)

"جمع من الکتب کثیرا وکان شدیدالشغف بها"۔[13]

(اس نے بہت سی کتابیں جمع کیں اور اسے کتابوں سے بے پناہ شغف تھا)

"حصل کتبا کثیرة"۔[14]

(اس نے بہت زیادہ کتابیں حاصل کیں)

"حصل کتبا نفیسة"۔[15]

(اس نے عمدہ کتابیں حاصل کیں)

"کان حریصا علی طلب الکتب"۔[16]

(وہ کتابوں کی جستجو کا بہت زیادہ شوق رکھتا تھا)

"كان حريصاعلى نقل الكتب وتحصيلها"۔[17]

(وہ کتابوں کے ترجمہ اوران کے حصول کا بہت شائق تھا)

"كتب الكتب ونسخ الكتب الكبار"۔[18]

(اس نے بہت سی بڑی بڑی کتابیں لکھیں)

"كتب بيده عدة أحمال"۔[19]

(اس نے کئی بوجھ کے بہ قدر کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھیں)

کتب خانوں کے اثرات:

جیسا کہ ذکر کیا گیا عصرِ عباسی دیگر بہت سی سماجی، سیاسی و علمی فتوحات کے ساتھ اس دور میں لاتعداد کتب خانوں کی موجودگی کے حوالے سے بھی ممتاز سمجھا جاتا ہے، حتی کہ اس دور میں ایک بھی ایسا صاحبِ علم نہیں پایا جاتا تھا، جس کے پاس ذاتی کتب خانہ نہ ہو۔ ذیل میں ان کتب خانوں کے علمی اثرات پر مختصراً روشنی ڈالی جارہی ہے:

1-وہ عرب، جو اپنی قوتِ حافظہ پر فخر کرتے تھے، انھیں اس بات کی عار دلائی جاتی تھی کہ ان کے پاس کتابی شکل میں کوئی علمی ذخیرہ نہیں ہے۔ عہدِ عباسی میں تصنیف و تالیف اور ترجمہ و جمع کتاب کی تحریک نے ان کی اس کمی کو بھی دور کر دیا اور اب وہ سننے اور یاد کرنے سے زیادہ تحریر و تصنیف پر فخر کرنے کے قابل ہو گئے۔

2-اس عہد میں یہ چیز مسلمانوں کی علمی روایت کا جزءِ لاینفک ہوگئی؛ چنانچہ اس دور کا ہر خلیفہ یا وزیر و امیر اپنے گھر میں ایک کتب خانہ قائم کرتا اور اس میں قیمتی کتابیں جمع کر کے رکھتا تھا۔

3-تمام خلفا، وزرا و امرا کے محل میں لائبریریاں تھیں، ایک بھی محل اس سے خالی نہ تھا۔ جیسا کہ ابوبکر صولی کے اس واقعے سے بھی پتا چلتا ہے۔ اس نے ایک بار خلیفہ راضی باللہ سے کہا:

"لوگوں میں اس بات کا چرچا ہے کہ ہمارے آقا نے اپنی علمی جلالت وعظمت کے باوجود محض سابق خلفا کی روایت کو برقرار رکھنے کے لیے محل میں لائبریری قائم کی ہے"۔ [20]

اس سے پہلے کے عباسی خلفا میں یہ حضرات گزر چکے تھے: سفاح، منصور، مہدی، ہادی، ہارون رشید، امین، مامون، معتصم، واثق، متوکل، مستنصر، مستعین، معتز، مہتدی، معتمد، معتضد، مکتفی اور مقتدر؛ لیکن اصحابِ سیر وسوانح نے ان میں سے صرف منصور، ہارون رشید اور مامون کے ذاتی کتب خانوں کا ذکر کیا ہے۔ ایسا شاید اس لیے ہوا کہ لائبریریاں قائم کرنا عہدِ عباسی میں اسلامی حکومت وثقافت کا ایک لازمی اور حکومتوں کے معمول کا حصہ تھا؛ اس لیے مؤرخین نے ہر خلیفہ کے حوالے سے باہتمام اس کا ذکر نہیں کیا اور جن کا ذکر کیا، وہ اس لیے کہ ان کے یہاں اس حوالے سے غیر معمولی اہتمام پایا جاتا تھا۔

4- اس زمانے میں مسلمانوں نے عام لوگوں کے استفادے کے لیے مسجدوں میں بھی لائبریریاں بنوادی تھیں۔ جیسا کہ اصحابِ سیر وسوانح نے لکھا ہے کہ ابونصر احمد بن حامد اصفہانی اور حسان بن سعید المنیعی نے عوام وخواص کے لیے بہت سی مسجدوں میں کتب خانے بنوائے تھے۔ [21]

5- اسی طرح اس زمانے میں عام گزرگاہوں اور راستوں کے کناروں پر بھی لائبریریاں قائم کی جاتی تھیں؛ تاکہ اصحابِ ذوق اسلامی وعلمی نوادرات وذخائر سے جب اور جہاں چاہیں، استفادہ کریں۔ یاقوت الحموی کے بیان کے مطابق ایک ہی شہر میں اس قسم کی دس لائبریریاں پائی جاتی تھیں۔ [22]

6- مسلمانوں میں حصولِ علم اور مطالعۂ کتب کا غیر معمولی شوق تھا؛ چنانچہ مروی ہے کہ جب ابوبکر صولی راضی باللہ اور اس کے بھائی ہارون کو پڑھا رہا تھا، تو اسی زمانے میں انھوں نے فقہ، ادب وزبان کی کتابوں پر مشتمل لائبریری بنانی شروع کردی تھی، کہا جاتا ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کی ذاتی کتابوں پر مشتمل اپنی علاحدہ لائبریری تھی۔ [23]

7- لوگ کتابوں کو اپنے گھر اور محفلوں کی زینت کا سامان سمجھتے تھے، وہ اس لیے بھی

کتابیں جمع کرتے تھے کہ معاشرے میں انھیں اہلِ علم وافاضلِ قوم میں شمار کیا جائے۔ ''نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب'' نامی کتاب میں ایک مالدار شخص کا تذکرہ ہے کہ وہ محض اپنے گھر کو سجانے، سنوارنے کے لیے کتابیں خریدا کرتا تھا۔[24]

8-اس دور کے علما نے صرف اپنے لیے لائبریریاں نہیں بنوائیں؛ بلکہ اپنی اولاد کے لیے بھی بنوائیں؛ چنانچہ ابوالحسن علی بن عبداللہ الطائی نے اپنے بیٹے ابوالبرکات اور ابوعبداللہ دونوں کے لیے الگ الگ کتب خانے قائم کیے تھے، جبکہ ان دونوں کے علاوہ اس کے پاس پہلے سے اپنا ایک ذاتی کتب خانہ موجود تھا۔[25]

9-بعض دفعہ کتب خانوں کے مالک اپنے یہاں مطالعے کے لیے آنے والے شائقینِ علم کو تحائف دے کر ان کو مزید مطالعہ وکتب بینی کی ترغیب دیتے تھے، جیسے کہ ابن سوار اور ابوالقاسم موصلی کے بارے میں مروی ہے کہ یہ حضرات اپنی لائبریریوں میں مطالعے کے لیے آنے والوں کو روپے پیسے اور مال واسباب کی شکل میں ہدیے بھی دیا کرتے تھے۔[26]

10-بیٹیوں کو جہیز کے طور پر کتب خانے دیے جاتے تھے، جیسا کہ مشہور محدث امام اسحاق بن راہویہ کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے عبداللہ زغدانی سے امام شافعی کی تصانیف پر مشتمل کتب خانے کے حصول کی خاطر ان کی بیٹی سے شادی کی تھی۔[27]

11-کتب خانے کی اہمیت اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ نہ صرف اہلِ علم ان سے استفادے کے لیے سفر کیا کرتے تھے؛ بلکہ شعرا کتب خانوں کی تعریف میں اشعار بھی کہتے تھے، جیسے کہ ابوالعلا معری کے بارے میں مشہور ہے کہ جب اس نے بغداد کے کتب خانے ''دارالعلم'' کا مشاہدہ کیا، تو اسے بے پناہ خوشی ہوئی اور اس نے اس کے لائبریرین کی تعریف میں اشعار کہے۔[28]

12-اس زمانے میں علم وفن اور کتاب وکتب خانے کی اہمیت اتنی زیادہ تھی کہ لوگ

بسا اوقات تنگیِ معاش کی وجہ سے خود بھوکے رہ سکتے تھے یا اپنی اولاد کو بھوکی رکھ سکتے تھے، مگر وہ اپنی کوئی کتاب بیچنے پر راضی نہ ہوتے تھے۔ اس کی ایک مثال ابراہیم الحربی کا واقعہ ہے کہ اس نے اپنے بچوں کو بھوکا رکھا، مگر اپنی لائبریری کی ایک کتاب بھی فروخت نہ کی۔ [29]

13- عہدِ عباسی میں کتب خانے رہن پر بھی دیے اور لیے جاتے تھے، اس سے بھی ان کی اہمیت کا پتا چلتا ہے، گویا ان کی حیثیت گھر یا زمین جائداد جیسی تھی، جنھیں رہن پر دیا یا لیا جا سکتا تھا، اس کی وجہ سے بعض دفعہ بعض لوگوں کے کتب خانوں کی کتابیں چوری بھی ہو جاتی تھیں اور چوری کرنے والا اسے دوسرے انداز میں مارکیٹ میں لاتا اور ان سے مالی منفعت حاصل کرتا تھا۔

14- کئی لوگوں نے صرف اپنی کتابیں رکھنے کے لیے بڑی خوب صورت عمارتیں بنوائیں، انہی میں سے ایک سابور بن اردشیر تھا، جس نے بغداد کے ''کرخ'' نامی محلے میں کتب خانے کی ایک عالیشان عمارت بنوائی تھی۔ [30] ایک ابوالشیخ بن محمد بھی تھا، جس نے اصفہان میں کتب خانے کے لیے ایک عمارت بنوائی، گرچہ اس کی زندگی میں اس عمارت کی تعمیر پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکی تھی۔ [31]

15- کتب خانے کے آس پاس ٹیلسکوپ بھی رکھے جاتے تھے؛ چنانچہ ابوطاہر الخاتونی نے جو کتب خانہ بنوایا تھا، اس میں تجربے کے لیے ٹیلسکوپ بھی رکھے گئے تھے۔ [32]

16- لوگ غربت کے باوجود کتابیں جمع کرنے میں دلچسپی رکھتے تھے، جیسا کہ ابراہیم الحربی کے واقعے سے اس کی مثال پیش کی جا چکی ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ صاحبِ کتاب ہونا اُس وقت کے مسلم معاشرے میں سماجی وقار و عظمت کی نشانی سمجھی جاتی تھی، اسی ابراہیم الحربی کے بارے میں آتا ہے کہ کسی نے اس کی غربت کی وجہ سے طنزاً دریافت کیا:

> ''یہ کتابیں تم نے کیسے جمع کیں؟ تو وہ یہ سن کر غصہ ہو گیا اور جواب دیا: اپنے خون پسینے سے جمع کی ہیں''۔ [33]

17- خلفا و امرا بڑے بڑے اہلِ علم کے کتب خانے حاصل کرنے کی کوشش میں

رہتے تھے؛ چنانچہ جب امام احمد بن حنبلؒ کا انتقال ہوگیا، تو خلیفہ متوکل علی اللہ نے ان کے صاحبزادے کے پاس اپنا آدمی بھیجا کہ وہ امام احمد کا کتب خانہ سرکار کے ہاتھوں فروخت کردے، مگر امام کے بیٹے نے اس سے انکار کردیا۔[34]

18- کتب خانوں اور کتابوں سے اس دور کے لوگوں کو اتنی محبت تھی کہ بسا اوقات وہ اپنے گھر بار اور عبادت سے بھی غافل ہوجاتے تھے؛ چنانچہ ایک واقعہ مروی ہے کہ ابومعشر فلکی بغداد کے راستے حج کے سفر پر نکلا، وہاں اسے علی بن یحیٰ منجم کے کتب خانے کا پتا چلا، تو وہاں جا پہنچا اور پھر کتابوں میں ایسا مشغول ہوا کہ اسے اپنا سفرِ حج بھی یاد نہ رہا۔[35] اسی قسم کا واقعہ یاقوت الرومی کے ساتھ بھی پیش آیا تھا۔[36]

19- اس زمانے میں اہل عرب اپنے بچوں کو تلواروں اور کتاب بازاروں میں جانے کی ترغیب دیتے تھے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس طرح سیاسی وملکی حفاظت کے نقطۂ نظر سے زرہ وتلوار کی ان کے نزدیک اہمیت تھی، اسی طرح ذہن وفکر کی ترقی وثروت مندی کے لیے وہ کتابوں کی ضرورت واہمیت کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔

20- جو لوگ خلفا وامرا اور وزیروں کو کتابیں لا کر دیتے، انھیں مال ودولت سے نوازا جاتا تھا؛ چنانچہ جب وہب بن ابواصیبعہ نے وزیر کمال الدین کی خدمت میں اپنی کتاب ''عیون الانباء فی طبقات الاطباء'' پیش کی، تو اس نے اسے بہت سے مال اور خلعتِ فاخرہ سے نوازا۔[37]

21- اس زمانے میں آج کی طرح کتابوں کی طباعت کا معقول انتظام نہیں تھا، عموماً مصنف خود ہی اپنے ہاتھوں سے اپنی کتاب کی کتابت کرتا تھا؛ چنانچہ حفاظتی تدبیر کے طور پر عصرِ عباسی کے اہلِ قلم واصحابِ تصنیف اپنی ایک کتاب کے کم از کم تین نسخے تیار کرتے تھے؛ تاکہ اصل نسخہ ضائع نہ ہوجائے اور اگر خدانخواستہ ایسا ہو، تو اس کی ایک یا دو کاپیاں موجود رہیں۔

22- لائبریری وزیروں کے محل کا لازمی حصہ ہوتی تھی؛ چنانچہ کاتبوں کے قیام کا

مستقل انتظام ہوتا تھا اور بسا اوقات ان کے لیے چالیس چالیس تخت لگوائے جاتے تھے؛ چنانچہ ابو یوسف یعقوب بن ابو شیبہ اور ابو عبید محمد بن عمران المرزبانی کے محلوں کا یہی حال تھا۔[38]

23- ان کتب خانوں میں ہر قسم کی نفع بخش کتابیں پائی جاتی تھیں، اس دور کا ایک شاعر کہتا ہے:

ما من كاتب إلا ستبقى
كتابته وإن فنيت يداه
فلا تكتب بكفك غير شيء
يسرك في القيامة أن تراه

(ایک مصنف جو کچھ لکھتا ہے، وہ باقی رہتا ہے، بھلے ہی اس کے ہاتھ فنا ہو جائیں (مصنف مر جائے) لہذا تم اپنے ہاتھ سے ایسی ہی چیزیں لکھو، جسے دیکھ کر تمھیں قیامت کے دن مسرت حاصل ہو)

24- ماں باپ اپنے بچوں کو کتب بینی اور کتابیں جمع کرنے کی تاکید کرتے تھے؛ تاکہ معاشرے میں انھوں نے محنت ومشقت کے بعد جو عزت ووقار حاصل کیا ہے، وہ باقی رہے۔ بدیع الزماں ہمدانی اپنے بھانجے سے کہتا ہے:

> ''جب تک تمھیں علم سے شغف ہے، تعلیم گاہ سے انس ہے، قلم دوات تمھارے ساتھی ہیں اور کاپی تمھاری ہمدرد دوست ہے، تب تک تم میرے لیے میرے بیٹے جیسے ہو؛ لیکن اگر تم نے اس سلسلے میں کوتاہی سے کام لیا، تو میرا تمھارا کوئی رشتہ نہیں رہے گا''۔39

المختصر یہ کہ علم دوستی، کتب بینی اور کتابیں جمع کرنے کے غیر معمولی شوق وجذبے کے اعتبار سے اس دور کے عوام وخواص سب ایک دوسرے سے بڑھ کر تھے، وہ لوگ کتابیں پڑھنے، انھیں حاصل کرنے، لائبریریاں قائم کرنے اور انھیں سجانے سنوارنے کو اپنا فریضہ سمجھنے کے ساتھ سماجی ومعاشرتی وقار واعتبار کے حصول کا ذریعہ بھی سمجھتے تھے۔ علم وکتاب

کے عام رواج کا نتیجہ یہ تھا کہ سیکڑوں یا ہزاروں میں سے کوئی ایک بندہ، جسے علم ومطالعے سے کچھ زیادہ دلچسپی نہ ہوتی، وہ بھی سماجی Standard کو برقرار رکھنے کے لیے ہی سہی، کتابیں خریدتا اور اپنے گھر میں لائبریری ضرور قائم کرتا تھا۔

عصرِ عباسی کے اہم کتب خانے:

1- بیت الحکمت:

اس کی بنیاد قصرِ خلافت میں ہارون رشید نے رکھی۔[40] پھر مامون نے اسے ترقی دی اور اس کی ایک خاص عمارت بنوائی، یہ عمارت کئی ہال اور وسیع وعریض کمروں پر مشتمل تھی، ہر کمرے میں کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا، جو اس کے جمع کرنے والے سے منسوب تھا، مثلاً: ہارون رشید کے ذریعے جمع کردہ کتب کے لیے "خزانۃ الرشید" اور مامون کے ذریعے اکٹھا کی گئی کتابوں کے لیے "خزانۃ المامون" کا نام وعنوان تھا۔ اس ادارے میں علما، خطاط، کتابیں جمع اور مرتب کرنے والوں، جلد سازوں اور کاتبوں کی کثیر تعداد تھی۔ متوکل علی اللہ کے بعد معتز اور مستعین کے مابین جنگ اور باہمی تنازعات کی کثرت کی وجہ سے اس ادارے پر جمود وتعطل طاری ہو گیا اور بالآخر 656ھ (1258ء) میں ہلاکو کے ہاتھوں سقوطِ بغداد کے سانحے میں اس کا نام ونشان ختم ہو گیا۔

بیت الحکمت کے چند نمایاں مصنفین ومترجمین:

1- ابو سہل فضل بن نوبخت

2- علان الشعوبی

3- یوحنا بن ماسویہ

4- حنین بن اسحاق

5- سہل بن ہارون

6- سلم

7-حجاج بن مطر

8-یوحنا بن بطریق

9-یحی بن ابو منصور

10-محمد بن موسی

11-سعید بن ہارون

12-اسحاق بن حنین

13-حبیش بن ہارون

14-ثابت بن قرہ

15-عمر بن فرخان

16-ابن ابی الحریش

17-بنوشا کر المنجم

18-احمد بن محمد

19-ابو حسان

20-یحی بن عدی

21-متی بن یونس

22-الکندی

2-دارِ کتب سابور بن اردشیر:

جب سابور بن اردشیر کو وزارت کی ذمے داریاں سونپی گئیں، تو اس نے بیت الحکمت کے طرز پر ایک علمی اکیڈمی قائم کی، بغداد کے ''کرخ'' نامی محلے میں اس کی عمارت بنوائی اور اسے حکومت کا سب سے بڑا محکمہ بنا دیا۔ اس اکیڈمی کے کئی شعبے تھے، ان میں سے ایک دارالکتب یعنی کتب خانہ بھی تھا، یہ کتب خانہ خود اپنے آپ میں علمی و ادبی ترقی کا آئینہ تھا، حتی

کہ بعد کے زمانے میں بہت سے مؤرخین نے اس اکیڈمی کو محض ایک عظیم کتب خانہ ہی سمجھ لیا، سابور نے اس اکیڈمی کے لیے جو اوقاف اور ہدایا خاص کیے تھے، وہ بہت زیادہ تھے، جس کی وجہ سے اس کے بانی پر آنے والی مشکلات سے بھی اس ادارے پر کوئی اثر نہیں پڑا، جس وقت سابور کی وفات ہوئی (406ھ) اس وقت یہ اکیڈمی نہایت اچھی حالت میں تھی۔

سابور نے اس ادارے کو ایک عظیم ذخیرۂ کتب بھی ہدیہ کیا تھا، اس ذخیرے میں ہر علم و فن سے متعلق اس کی دس ہزار چار سو ذاتی کتابیں تھیں، ان میں ابن مقلہ کے ہاتھ سے لکھے ہوئے قرآن کریم کے سو نسخے بھی تھے۔ اس اکیڈمی اور اس کے کتب خانے سے اہل علم و ادب کی ایک بڑی تعداد نے استفادہ کیا، جس میں ثعالبی، ابو العلا معری اور ابو منصور جیسے جلیل القدر افراد شامل ہیں، ان لوگوں نے اس ادارے کی تعریفیں کیں اور اپنے اشعار میں ان کا تحسین آمیز تذکرہ کیا۔

یہ اکیڈمی اور اس سے ملحق کتب خانہ دو بار شدید آتشزدگی سے دوچار ہوئے اور اس کے نتیجے میں تباہ و برباد ہو گئے۔[41]

3- بیت الحکمت التونسی:

اسے امیر ابراہیم دوم نے ''رقادہ'' میں قائم کیا، یہ شخص اپنی فتوحات اور علم فلکیات سے اپنی غیر معمولی دلچسپی کے حوالے سے مشہور تھا، اس نے اس ادارے میں بغداد، عراق، شام و مصر سے بہت سے علما، اہل علم و مصنفین کو بلایا اور ان سے کام لیا۔ اس ادارے میں بغداد میں ترجمہ کی گئی منطق، فلسفہ، جغرافیہ، فلکیات، طب، جیومٹری، ریاضیات و نباتات وغیرہ پر مشتمل تراجم کا عمدہ ذخیرہ تھا۔ 296ھ (9-908ء) میں اس پر فاطمیوں نے قبضہ کر لیا تھا، اس کا نظم و نسق بغداد کے بیت الحکمت جیسا ہی تھا۔ ابراہیم دوم کے بیٹے زیادت اللہ سوم نے اس ادارے کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ اس بیت الحکمت کی ذمے داری نبھانے والوں میں ابو الیسر ابراہیم الشیبانی اور عثمان بن سعید معروف بہ صیقل وغیرہ تھے۔

4-خزانۃ الحکمۃ:

یہ علی بن یحی المنجم کا ذاتی کتب خانہ تھا۔ یاقوت حموی نے ''معجم الادبا'' میں لکھا ہے کہ:

''ابوالحسن علی بن یحی بن ابومنصور المنجم، جس کی وفات 275ھ میں سامرا میں ہوئی، اس کے پاس ''کرکر'' میں ایک قیمتی جائداد، عالیشان محل اور ایک عظیم کتب خانہ تھا، جس کا نام اس نے ''خزانۃ الحکمۃ'' رکھا تھا، لوگ مختلف شہروں سے وہاں پہنچتے، قیام کرتے اور مختلف علوم وفنون حاصل کرتے تھے، وہاں ہر قسم کی کتابیں جمع کی گئی تھیں، ان کی حفاظت کا بھرپور انتظام تھا اور اس سب پر خرچا علی بن یحی کی جیبِ خاص سے ہوتا تھا''۔[42]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتب خانے میں تراجم وتصانیف ہر قسم کی کتابیں موجود ہوں گی۔

5-فتح بن خاقان کا ذاتی کتب خانہ:

یاقوت نے ہی روایت کیا ہے کہ علی بن یحی المنجم نے متوکل علی اللہ کے وزیر فتح بن خاقان سے ملاقات کی اور اس کے لیے بھی ایک ''خزانۃ الحکمۃ'' بنوایا، وہاں اپنی بہت سی کتابیں دیں، بہت سی مشہور کتابیں فتح بن خاقان کے لیے لکھوائیں، اس طرح یہ ایسا نادرۂ روزگار کتب خانہ ہو گیا تھا کہ اس سے بڑا اور خوب صورت کتب خانہ شاذ ہی پایا جاتا تھا۔ فتح بن خاقان کے یہاں بڑے بڑے فصحائے عرب اور کوفہ وبصرہ کے علما آتے تھے، وہ اس کتب خانے کا معاینہ کرتے اور اس سے استفادہ کرتے تھے، یہ سلسلہ جاری رہا، حتی کہ 247ھ (861ء) میں فتح بن خاقان متوکلیہ میں خلیفہ متوکل علی اللہ کے ساتھ مارا گیا۔[43]

6-بیمارستانات (ہسپتال):

عہدِ عباسی میں حکومت کے ذریعے اور دیگر امرا وعام لوگوں کے ذریعے بہت سے ہسپتال قائم کیے گئے، ان کے ساتھ ساتھ طبی درس گاہیں (میڈیکل کالجز) بھی تھیں، جہاں

طلبہ علمِ طب پڑھتے تھے اور وہاں رہنے والے علماے طب طلبہ کو پڑھانے اور مریضوں کا علاج معالجہ کرنے کے ساتھ تصنیف و تالیف اور ترجمے کا کام بھی کرتے تھے۔ مثال کے طور پر بغداد کے عضدی ہسپتال میں ایسے اطبا کی ایک کثیر تعداد تھی، جنھوں نے تدریس و علاج کے ساتھ وسیع پیمانے پر تصنیف و تالیف اور ترجمے کیے۔[44]

حواشی:

1- تاریخ بغداد، ج:5،ص:522
2- البدایۃ والنہایۃ، ج:10،ص:202-203
3- تالیف الخطیب، ص:3
4- مناقب الامام ابی حنیفۃ، ص:19
5- الانساب، ص:536، سیر اعلام النبلاء، ج:9،ص:40
6- تاریخ بغداد، 4،ص:5
7- تذکرۃ الحفاظ، ج:4،ص:1265
8- الکامل فی التاریخ، ج:9،ص:110
9- البدایۃ والنہایۃ، ج:12،ص:36
10- یتیمۃ الدہر، ج:4،ص:46
11- کتاب المنتظم، ج:8،ص:180
12- ایضا، ج:10،ص:122
13- التکملۃ لوفیات النقلۃ، ج:4،ص:210
14- البدایۃ والنہایۃ، ج:13،ص:150
15- کتاب المنتظم، ج:10،ص:121
16- عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ج:2،ص:171

17- ایضاً، ص:176
18- تذکرۃ الحفاظ، ج:4، ص:1283
19- میزان الاعتدال، ج:3، ص:479
20- اخبار الراضی باللہ والمتقی للہ، ص:39
21- وفیات الاعیان، ج:1، ص:60-61، الانساب، ص:543
22- کتاب الحیوان، ج:1، ص:60-61
23- اخبار الراضی باللہ والمتقی للہ، ص:39-40
24- ج:3، ص:10-11
25- معجم الادباء، ج:6، ص:22
26- احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم، ص:413، معجم الادباء، ج:2، ص:20
27- الانساب، ص:286
28- انباہ الرواۃ، ص:176
29- تاریخ بغداد، ج:6، ص:33
30- کتاب المنتظم، ج:7، ص:172
31- خریدۃ القصر، ص:25
32- آثار البلاد واخبار العباد، ص:38
33- تاریخ بغداد، ج:6، ص:33
34- تاریخ الاسلام، ص:82
35- معجم الادباء، ج:5، ص:467
36- معجم البلدان، ج:5، ص:114
37- عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ج:3، ص:286-287
38- تاریخ بغداد، ج:12، ص:281، کتاب المنتظم، ج:3، ص:136

39- الرسائل،ص:152

40- ویسے اس کے اساس گذار کی تعیین میں مؤرخین کا اختلاف ہے؛ چنانچہ ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ اس کا بانی خلیفہ منصور ہے۔(بیت الحکمت کی خدمات،ص:14)ایک دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ ہارون رشید اس کا بانی ہے۔(ایضا،ص:66)ایک تیسری جماعت یہ کہتی ہے کہ اس ادارے کی اساس مامون رشید نے رکھی۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ منصور نے اپنے گھر میں بہت سی کتابیں جمع کر رکھی تھیں، ہارون رشید نے بیت الحکمت کے نام سے اس روایت کو ترقی پذیری عطا کی اور مامون نے اسے ایک مستقل ادارے کی شکل دے کر باقاعدہ اس کی عمارت بنوائی۔(ایضا،ص:67)

41- المکتبۃ فی العالم العربی،ص:32-35

42- اصالۃ الحضارۃ العربیۃ،ص:452-453

43- ایضا،ص:453

44- ایضا،ص:455-456

باب:18

عہدِ عباسی کے تراجم کے نمونے

مزید توضیح کے لیے،ہم یہاں اس عہد کے تراجم کے کچھ نمونے بھی پیش کرتے ہیں؛ کیوں کہ ان نمونوں سے اس عہد کی ترجمہ نگاری کی توضیح،تفصیل،اس کی خصوصیات کی تحدید اور اس کے درجات کی تعیین میں مدد ملے گی؛ چنانچہ پہلے کلیلہ ودمنہ سے ابن المقفع کے ترجمے سے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں:

1-"إذاابتلي المتحابان بأن يدخل بينهما الكذوب المحتال لم يلبثا أن يتقاطعا و يتدابرا،ومن أمثال ذلک أنه كان بأرض دستاوند رجل شيخ وكان له ثلاثة بنين،فلما بلغوا أشدهم أسرفوا في مال أبيهم ولم يكونوا احترافوا حرفة يكسبون لأنفسهم بهاخبزا"۔ [1]

(جب دو محبت کرنے والے آزمایش سے دوچار ہو جائیں،بایں طور کہ ان کے بیچ کوئی جھوٹا مکار انسان گھس جائے،تو دونوں کے تعلقات ٹوٹ جاتے اور دونوں ایک دوسرے سے منہ پھیر لیتے ہیں۔اسی قسم کی ایک مثال ہے کہ دستاوند کے علاقے میں ایک بوڑھا انسان رہتا تھا اور اس کے تین بیٹے تھے،جب وہ سب بڑے ہو گئے،تو انھوں نے اپنے باپ کا مال بے رحمی سے خرچ کیا اور انھوں نے حصولِ رزق کے لیے خود کوئی کام نہیں سیکھا)

2-"إن الذين يعملون غير أعمالهم ليسو ا على شيء كالذي يضع الرماد موضعاً ينبعي أن يضع فيه الرمل ويستعمل فيه السرجين،والرجل الذي يلبس لباس المرأة والمرأة التي تلبس لباس

الرجل، والضيف الذي يقول أنا رب البيت ،والذي ينطق بين جماعة بما لا يسأل عنه"۔(ص:۵۴)

(جولوگ لایعنی کام کرتے رہتے ہیں،ان کی زندگی کا کوئی فائدہ نہیں، جیسے کہ ایک شخص جہاں ریت رکھنی ہو، وہاں راکھ اور کھاد ڈالنے لگے یا کوئی مرد عورت کا اور عورت مرد کا لباس پہن لے یا مہمان میزبان کے گھر کو اپنا بتانے لگے یا ایک شخص ایک جماعت کے ساتھ ہو اور ایسی چیز کے بارے میں بات کرنے لگے،جس کے بارے میں اس سے دریافت نہ کیا گیا ہو)

3-"زعموا أن ناسكا من النساک كان بأرض جرجان وكانت له امرأة جميلة،فمكثا زمانا لم يرزقاولدا، ثم حملت منه بعد اليأس فسرت المرأة وسرالناسک بذلک"۔[2]

(لوگ بیان کرتے ہیں کہ جرجان میں ایک عابد وزاہد شخص رہتا تھا،جس کی ایک خوب صورت بیوی تھی، وہ دونوں ایک زمانے تک ساتھ رہے؛ لیکن کوئی اولاد نہ ہوئی، پھر دونوں کے مایوس ہونے کے بعد اس کی بیوی حاملہ ہوگئی،جس کا پتا چلتے ہی وہ عورت اور وہ زاہد شخص دونوں بہت خوش ہوئے)

روفس کے "رسالة النبيذ" کا ترجمہ قسطا بن لوقا نے کیا تھا، اس کا ایک نمونہ:

"إن النبيذ يهضم الطعام هضماً جيدا وقد ينبغي أن يفهم من في الهضم أنه جيد أو رديء أي لست أعني بذلک الهضم الذي يكون في المعدة فقط لأن الغذاء ينفذ في البدن"۔[3]

(نبیذ کے استعمال سے کھانا اچھی طرح ہضم ہوجاتا ہے اور مناسب ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ جو چیز ہضم ہو رہی ہے وہ اچھی ہے یا خراب یعنی میری مراد ہضم سے محض وہ نہیں ہے جو انسان کے معدے میں ہوتا ہے؛ کیوں کہ غذا تو انسان کے بدن میں سرایت کرتی ہے)

دوسرا نمونہ:

"إن أنت فكرت في نفسک في فضل الرجل على قوة المرأة وجدت ذلک مشابها لفضل قوة النبيذ على قوة الماء"۔ [4]

(اگر تم اپنے دل میں طاقت وقوت کے اعتبار سے مرد کی عورت پر فضیلت کے سلسلے میں غور کرو گے، تم تمھیں وہ نبیذ اور پانی کی قوت میں فرق کے مشابہ نظر آئے گی)

تیسرا نمونہ:

"وقديستعمل أصحاب النبيذ القيء كثيرا ولست أحمده حمدا على كل حال "۔ [5]

(بسا اوقات نبیذ سے علاج کرنے والے قے کا سہارا زیادہ لیتے ہیں، مگر میں اسے کسی بھی حال میں بہتر نہیں سمجھتا۔)

ارسطو کے رسالے سے پہلا نمونہ:

"لأن الغم هو مرض الروح يكون بانقباضه وغوره إلى داخل فإذاانقبض الروح متراجعا غمر الدماغ وعصرت شيئا من الرطوبات المحصورة فيه"۔[6]

(کیوں کہ غم روح کی بیماری ہوتی ہے اور یہ بیماری اس کے انقباض اور اندر کی طرف سکڑنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، جب روح پیچھے کی طرف مڑتی اور سکڑتی ہے، تو وہ دماغ کو گھیر لیتی اور اس میں موجود رطوبتوں کو نچوڑ لیتی ہے)

دوسرا نمونہ:

"لأن الماء الذي يشربونه ليس ينفذ في المجرى الذي يجب على المجرى الطبيعي الذي يجري إليها لكنه يترشح إلى حيث لا يجري، فلذلک صار ينالهم العطش مثل ماينال من لم يشرب الماء"۔[7]

(کیوں کہ جو پانی وہ پیتے ہیں وہ اپنے طبعی مقام پر نہیں پہنچتا، غیر طبعی مقام پر پہنچ جاتا ہے، اسی وجہ سے انھیں پانی پینے کے باوجود اس شخص کی طرح ہی پیاس محسوس ہوتی ہے، جس نے پانی نہ پیا ہو)

تیسرا نمونہ:

"لأنه إذا نخس يبقى متصلا بعض الاتصال فيمتد من أجل

التمدد ويؤلم وبسبب الألم يميل إليه المواد ويزيد الورم وإذا تبرألم يتمدد ولم يؤلم كثير الألم ولذلک أيضا لا ينجذب إليه مادة ولا يحدث فيه الورم"۔ 8

(جب نخاس کیا جاتا ہے تو وہ ذرا لگا رہتا ہے پھر وہ پھیلتا ہے اور درد بنتا ہے اور درد کی کی وجہ سے اس کی طرف مواد آتا ہے اور ورم بڑھتا ہے مگر جب وہ ٹھیک ہو جاتا ہے تو وہ پھیلتا نہیں اور نہ زیادہ درد کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ادھر مواد نہیں آتا اور نہ اس میں ورم پیدا ہوتا ہے۔)

حواشی:

1- ص:102
2- ایضاً،ص:216
3- عباسی عہد کی طبی وفلسفیانہ کتب کے تراجم: ایک تحقیقی مطالعہ
4- ایضاً،ص:288
5- ایضاً،ص:292
6- خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری جرنل، ج:45،ص:217
7-ایضاً،ص:218
8- ایضاً،ص:218-219

باب:19

پس نوشت

گزشتہ تفصیلات سے یہ حقیقت واضح ہوگئی ہوگی کہ عربی اسلامی ادب میں ترجمہ نگاری کی روایت کوئی نئی نہیں ہے، جیسا کہ بعض محققین ومؤرخین کا خیال ہے، فی الحقیقت یہ بنوامیہ کے دورِ حکومت میں ہی شروع ہوگئی تھی؛ بلکہ یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ اس کا آغاز اسلام سے قبل دورِ جاہلیت میں ہی ہو گیا تھا، گرچہ اس کی رفتار دھیمی تھی، پھر اسلامی دور کے آغاز اور اس کے بعد بنوامیہ کے دورِ حکومت میں مسلمانوں نے مختلف اسباب وعوامل کے تحت سرگرمی کے ساتھ اس میں حصہ لینا شروع کیا، پھر یہ سلسلہ عباسی دورِ حکومت میں عروج کو پہنچ گیا اور عرب کی سرزمین میں علم وادب کا جو بیج بویا گیا تھا، وہ اس دور میں ثمر بار ہوا، جسے عموماً جنگ و جدال اور زوال وانتشار کا دور سمجھا جاتا ہے، حالانکہ میرے خیال میں یہ ایک تاریخی غلطی ہے اور اس میں حقیقت پسندی سے زیادہ مذہبی ونسلی عصبیت کی کارفرمائی ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ عباسی دورِ حکومت ترجمہ ہی نہیں، اپنی دوسری عظیم الشان سرگرمیوں کی وجہ سے بھی نہ صرف اسلامی؛ بلکہ عالمی تاریخ میں سب سے روشن نظر آتا ہے، جیسے کہ اس دور کے خلفا، امراووزرا سے لے عام لوگ بھی علوم وفنون کی اشاعت اور ان کے تحفظ میں اپنا مال ودولت اور طاقت وقوت سب صرف کرتے تھے، اگر وہ لوگ اس سلسلے میں بے

مثال دلچسپی اور علم دوستی کا مظاہرہ نہ کرتے، تو یونان، ہندستان و فارس کے علوم و فنون محفوظ نہ رہ پاتے اور نہ آج ترقی یافتہ یورپ ان علوم پر ناز کر سکتا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ سارے علوم، جن پر جدید یورپ کی بے مثال علمی و سائنسی ترقیات کی اساس قائم ہوئی، ان کا بہت بڑا حصہ عہدِ عباسی کے علم دوست خلفا و حکمرانوں اور علم نواز عوام کی جدو جہد کا مرہون ہے۔

اخیر میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ انسانیت کے لیے مفید علم و تحقیق کے مزید کاموں کی توفیق بخشے، اپنی رضا اور خوشنودی سے نوازے، دین و دنیا کی کامیابیاں مقدر فرمائے، بلاشبہ وہی توفیق دینے والا ہے اور ہم اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

کتابیات

عربی کتابیں:

١-إبراهيم بدوي الجيلاني،علم الترجمة وفضل العربية على اللغات،ط:المكتب العربي للمعارف،مصر

٢-ابن أبي أصيبعة،عيون الأنباء في طبقات الأطباء،ط:بيروت١٩٦٥ء

٣-ابن الأثير،الكامل في التاريخ،ط:دارصادر،بيروت ١٣٨٥ھ

٤-ابن الجوزي،المنتظم في تاريخ الأمم والملوك

٥-ابن الطقطقي،الفخري،ط:مكتبة و مطبعة محمد علي صبيح وأولاده،مصر

٦-ابن كثير،البداية والنهاية،ط:القاهرة١٩٣٢ء

٧-ابن المقفع،كليلة و دمنة،ط:مطبعة الكوثر،أعظم جراه،الهند

٨-ابن المقفع،آثار ابن المقفع،ط:دارمكتبة الحياة،بيروت

٩-ابن النديم،الفهرست،ط:دارالمعرفة للطباعة والنشر،بيروت١٩٧٨ء

١٠-أبوإسحاق إبراهيم بن عبدالله النجيري الكاتب،إيمان العرب في الجاهلية، ط:المطبعة السلفية،القاهرة١٣٤٣ھ

١١-أبوجعفر الطبري،تاريخ الرسل والملوك،تحقيق:محمد أبوالفضل إبراهيم، دارالمعارف بمصر

١٢-أبوالحسن المسعودي،مروج الذهب ومعادن الجوهر،تحقيق:محي الدين عبدالحميد،ط:مطبعة السعادة بمصر١٩٥٨ء

١٣-أبوعثمان الجاحظ، حياةالحيوان، تحقيق: عبدالسلام محمد هارون، ط:مصطفى البابي الحلبي وأولاده،مصر١٩٣٨ء

١٤-أبوالفرج الأصفهاني،الأغاني،ط:دارالكتب المصرية

١٥-أحمد بن محمد المقري،نفح الطيب من غصن الأندلس الرطيب، تحقيق:محمد محيى الدين عبدالحميد،ط:دارالكتاب العربي، بيروت١٣٦٩ھ

١٦-أحمد حسن الزيات،تاريخ الأدب العربي،دارالثقافة،بيروت

١٧-أحمد زكي صفوت،جمهرة خطب العرب في الإسلام في العصور العربية الزاهرة،ط:المكتبة العلمية،بيروت

١٨-أحمدسوسة،حضارة العرب ومراحل تطورها عبرالعصور،وزارة الإعلام-بغداد ١٩٧٩ء

١٩-أحمد علي الملا،أثر المسلمين في الحضارة الأوروبية،ط:دارالفكر- دمشق ١٩٧١ء

٢٠-أحمد فؤاد الأهواني،فيلسوف العرب

٢١-أحمد فريد رفاعي،عصر المأمون،ط:دارالكتب المصرية١٩٢٨ء

٢٢-القرآن الكريم

٢٣-الإمام الفاضل محمد دياب الإتليدي،كتاب إعلام الناس بماوقع للبرامكة مع بني العباس،ط:المطبع الإسلامي١٩٨٩ء

٢٤-صاعد الأندلسي،طبقات الأمم،ط:المطبعة الكاثولوكية،بيروت١٩١٢ء

٢٥-أنيس المقدسي،ندوة الترجمة والتنمية الثقافية،ط:الهيئة المصرية العامة للكتاب١٩٩٢ء

٢٦-أنيس المقدسي،أمراء الشعر العربي في العصر العباسي،ط:دارالعلم للملايين، بيروت١٩٨٤ء

٢٧-أوليري،الفكر العربي ومركزه في التاريخ،نقله وعلق عليه إسماعيل البيطار، ط:دارالكتب اللبناني،بيروت

٢٨-بديع الزمان الهمداني،الرسائل،ط:المطبعة الهندية،القاهرة١٩٤٩ء

٢٩-الثعالبي،يتيمة الدهر في محاسن أهل العصر،تحقيق:محمد محيى الدين عبدالحميد،ط:المطبعة الحجازية١٩٢٤ء

٣٠-جرجي زيدان،تاريخ التمدن الإسلامي،ط:القاهرة١٩٣٨ء

٣١-جرجي زيدان،تاريخ آداب اللغة العربية، ط:منشورات دارمكتبة الحياة، بيروت١٩٩٢ء

٣٢-جوزيف الهاشم وزملاؤه،المفيد في الأدب العربي،ط:دارالعلم للملايين، ط:١۴، أكتوبر١٩٨٨ء

٣٣-جورج جس،م،جيمس،التراث المسروق، ترجمة:شوقي جلال،ط:المجلس الأعلى للثقافة ١٩٩٦ء

٣۴-حامد عبدالقادر،قصة الأدب الفارسي،ط:مكتبة نهضة مصر، القاهرة ١٩٥١ء

٣٥-حكمت نجيب عبدالرحمن،دراسات في تاريخ العلوم عند العرب،ط:وزارة التعليم العالي والبحث العلمي بجامعة الموصل، ١٩٨٥ء

٣٦-الخطيب البغدادي،تاريخ بغداد،ط:مطبعة السعادة بمصر،١٩۴٩ء

٣٧-خيرالدين الزركلي،الأعلام،بيروت١٩٦٩ء

٣٨-الدكتورإبراهيم الشريفي،تاريخ الإسلام،ط:المطبعة السعودية،١٩٦٩ء

٣٩-أحمد أمين،ضحى الإسلام،دارالكتاب العربي،بيروت

۴٠-أحمد أمين،فجر الإسلام،دارالكتاب العربي،بيروت١٩٦٩ء

۴١-الدكتورأحمد سوسة،العرب واليهود في التاريخ،ط:دارالحرية للطباعة،

بغداد١٩٧٢ء

٤٢-الدكتور أحمد شلبي،موسوعة التاريخ الإسلامي،ط:مكتبة النهضة المصرية، ١٩٧٨ء

٤٣-الدكتور أحمد كمال زكي،الحياة الأدبية في البصرة،ط:دارالمعارف بمصر ١٩٧١ء

٤٤-الدكتور أحمد محمد الحوفي،تيارات ثقافية بين العرب والفرس،ط:دارنهضة مصر للطبع والنشر١٩٦٨ء

٤٥-الدكتور بهجة عبدالغفور الحيثي،أمية بن أبي الصلت: حياته وشعره، ط:دارالشؤون الثقافية العامة،بغداد١٩٩١ء

٤٦-الدكتور جوادعلي،المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام،ط:دارالعلم للملايين ١٩٦٨ء

٤٧-الدكتور حامد طاهر،الدوائر المتداخلة،ط:دارالنصر للتوزيع،جامعة القاهرة

٤٨-الدكتور حبيب الله خان، الترجمة العربية في الهند قبل الاستقلال، ط:دارسليمان للطباعة والنشر،دهلي ١٩٩٧ء

٤٩-الدكتور حسين عطران،الزندقة والشعوبية في العصر العباسي الأول، ط:دارالجيل، بيروت١٩٨٤ء

٥٠-الدكتور سليمان داؤد الوسطي وآخرون،الترجمة العملية،ط:وزارة التعليم العالي والبحث العلمي١٩٨٣ء

٥١-الدكتور السيد إحسان الرحمن،فن الترجمة،ط:دارالصحوة للنشر،حي البارودي ١٩٩٨ء

٥٢-الدكتور شوقي ضيف،العصر العباسي الأول،دارالمعارف بمصر١٩٧٥ء

٥٣-الدكتور شوقي ضيف،العصر العباسي الثاني،دارالمعارف بمصر١٩٧٣ء

۵۴-الدكتور صفاء خلوصي،فن الترجمة،ط:دارالشؤون الثقافية العامة، بغداد۱۹۷۶ء

۵۵-الدكتور عامر النجار،حركة الترجمة وأعلامها في العصر العباسي، ط:دارالمعارف ۱۹۹۳ء

۵۶-الدكتور عبدالجبار الجومرد،أبوجعفر المنصور،ط:دارالطليعة،بيروت۱۹۶۳ء

۵۷-الدكتور عبدالجبار الجومرد،هارون الرشيد،ط:المكتبة العمومية،بيروت ۱۹۵۶ء

۵۸-الدكتور علي عبدالله الدفاع،أعلام العرب والمسلمين في الطب،ط:مؤسسة الرسالة، بيروت۱۹۸۳ء

۵۹-الدكتور علي عبدالله الدفاع،أسماء أعلام المسلمين في الرياضيات،تعريب وتعليق: الدكتور جلال شوقي، ط:دارالشروق، بيروت ۱۹۸۱ء

۶۰-الدكتور عامر النجار،في تاريخ الطب في الدولة الإسلامية، ط:دارالهداية ۱۹۸۶ء

۶۱-الدكتورعمر فروخ،تاريخ الفكر العربي إلى أيام ابن خلدون،ط:دارالعلم للملايين، بيروت۱۹۸۳ء

۶۲-الدكتور عمر فروخ،تاريخ الجاهلية،ط:دارالعلم للملايين،بيروت۱۹۸۴ء

۶۳-الدكتور غوستاف لوبون،حضارة العرب،ترجمة:عادل زعيتر،ط:دارإحياء الكتب العربية،القاهرة۱۹۵۶ء

۶۴-الدكتورفاروق عمر،العباسيون الأوائل،ط:جامعة بغداد۱۹۷۳ء

۶۵-الدكتورة فتحية النبراوي،تاريخ النظم والحضارة الإسلامية،ط:الدار السعودية، جدة۱۹۸۵ء

۶۶-الدكتور فليب حتي،العرب:تاريخ موجز،ط:دارالعلم للملايين،بيروت۱۹۶۸ء

٦٧-الدكتور كامل حمود،تاريخ العلوم عندالعرب،ط:دارالفكر اللبناني،بيروت ١٩٩٢ء

٦٨-الدكتور محمد عبدالرحمن مرحبا،من الفلسفة اليونانية إلى الفلسفة الإسلامية، ط:منشورات بحرالمتوسط،بيروت١٩٨١ء

٦٩-الدكتور محمد عبدالقادر أحمد،دراسات في التراث العربي،ط:مكتبة الإنجلو المصرية ١٩٧٩ء

٧٠-الدكتور محمد عمار،الجاحظ وأثره في النثر الفني،رسالة دكتوراه (مخطوطة) في جامعة لكناؤبولاية أترابراديش،الهند

٧١-الدكتور مصطفى السباعي،من روائع حضارتنا،ط:دارالسلام ،دمشق

٧٢-الدكتورة عائشة بنت الشاطي،تراثنابين ماض وحاضر،ط:دارالمعارف بمصر ١٩٧٠ء

٧٣-الدكتور يوسف فرحات،علماء العرب،ط:ترادكسيم،جنيف١٩٨٦ء

٧٤-الذهبي،تذكرة الحفاظ،ط:مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية، حيدرآباد الدكن١٣٧٥ھ

٧٥-الذهبي،ميزان الاعتدال في نقدالرجال،تحقيق:علي محمد البجاوي،ط:مطبعة عيسى البابي الحلبي بمصر١٣٧٢ھ

٧٦-الدكتور ناجي معروف،أصالة الحضارة العربية،دارالثقافة،بيروت١٩٧٥ء

٧٧-دي بور،تاريخ الفلسفة في الإسلام،تحقيق:أبوريدة،ط:القاهرة١٩٥٧ء

٧٨-رشيد يوسف عطاء الله،تاريخ الآداب العربية،تحقيق:الدكتورعلي نجيب عطوي، ط:مؤسسة عزالدين للطباعة والنشر، بيروت ١٩٨٥ء

٧٩-زكريا القزويني،آثار البلاد وأخبار العباد،ط:دارصادر،بيروت١٣٨٠ھ

٨٠-زيغريد هونكه:شمس العرب تسطع على الغرب،ط:منشورات دارالآفاق

الجديدة ١٩٨٦ء

٨١-سبتينو موسكاتي،الحضارات السامية القديمة،ترجمة:الدكتور السيد يعقوب بكر، ط:دارالكتاب العربي-القاهرة١٩٥٧ء

٨٢-سليمان فائق بک،تاريخ بغداد،ترجمة:موسیٰ كاظم نورس،ط:مطبعة المعارف- بغداد١٩٦٢ء

٨٣-السمعاني،الأنساب،تحقيق:عبدالرحمن اليماني،ط:مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية-حيدرآباد الدكن١٣٨٢ھ

٨٤-السيد غلام علي آزاد البلكرامي،سبحة المرجان في آثار هندوستان، تحقيق:الدكتور فضل الرحمن الندوي السيواني،ط:معهد الدراسات الإسلامية، جامعة على كره الإسلامية- عليكره ،الهند١٩٧٦ء

٨٥-الشيخ محمد الخضري بک،الدولة العباسية،تحقيق:الشيخ محمد العثماني، ط:دارالقلم-بيروت١٩٧٦ء

٨٦-الشريف المرتضى،أمالي المرتضى،تحقيق:محمد أبوالفضل إبراهيم،ط:عيسى البابي الحلبي وشركاؤه بمصر١٩٥٤ء

٨٧-الصولي،أخبارالراضي بالله والمتقي لله-القاهرة١٩٣٥ء

٨٨-عباس محمود العقاد،ساعات بين الكتب،ط:دارالكتاب العربي، بيروت ١٩٩٦ء

٨٩-عبدالرزاق نوفل،المسلمون والعلم الحديث،ط:مكتبة طابع

٩٠-عبدالرحمن بدوي،التراث اليوناني في الحضارة الإسلامية،ط:دارالقلم- بيروت ١٩٨٠ء

٩١-عبدالعظيم المنذري، التكملة لوفيات النقلة، تحقيق:بشارعواد معروف، ط:مطبعة الآداب-النجف١٣٩١ھ

٩٢-عثمان الكعكاك، مراكز الثقافة في المغرب،ط:معهد الدراسات العربية العالية ١٩٥٨ء

٩٣-العلامة التبريزي،حماسة أبي تمام،ط:مكتبة النوري-دمشق

٩٤-علي محمد راضي،المأمون العباسي،ط:الدار القومية للطباعة والنشر

٩٥-عمر حسن حمدي،المكتبة في العالم العربي:تاريخها وطرق العمل بها، ط:مكتبة الإنجلو-المصرية ١٩٥٩ء

٩٦-عمر الدسوقي،النابغة الذبياني،ط:دارالفكر العربي،القاهرة١٩٧٥ء

٩٧-عمرفروخ،العرب في حضارتهم وثقافتهم،ط:دارالعلم للملايين-بيروت١٩٦٨ء

٩٨-فاطمة الجامعي الحيابي(إشراف):الترجمة والتلاقح الثقافي

٩٩-فون كريمر،الحضارة الإسلامية ومدى تأثرها بالمؤثرات الأجنبية،ترجمة: مصطفى طه بدر،ط:دارالفكر العربية-القاهرة١٩٤٧ء

١٠٠-فليب صائغ وجان عقل،أوضح الأساليب في الترجمة والتعريب،ط:مكتبة لبنان-بيروت١٩٨١ء

١٠١-القاضي أبوالمعالي أطهر المباركفوري،رجال السند والهند،ط:المطبعة الحجازية-بومبائي ١٩٥٨ء

١٠٢-القاضي صاعد بن أحمد الأندلسي،طبقات الأمم،ترجمة:القاضي أحمد مياف أختر، ط:مطبعة معارف- أعظم كره١٩٢٨ء

١٠٣-القرشي،جمهرة أشعار العرب،ط:دارصادر-بيروت١٣٨٣هـ

١٠٤-القفطي جمال الدين،إنباه الرواة على أنباه النحاة

١٠٥-كارل بروكلمان،تاريخ الأدب العربي،ترجمة: الدكتور عبدالحليم النجار، ط:دارالمعارف بمصر١٩٦٩ء

١٠٦-ول ديورانت،قصة الحضارة،ترجمة:محمد بدران،ط:الإدارة الثقافية في

جامعة الدول العربية

١٠٧-محمد رفعت بک ومحمد أحمد حسونه،معالم تاريخ العصور الوسطى، ط:المطبعة الأميرية-بولاق١٩٤٠ء

١٠٨-مريم سلامة-كار،الترجمة في العصر العباسي،ط:منشورات وزارة الثقافة ١٩٩٨ء

١٠٩-المعري،سقط الزند،دارصادر-بيروت١٣٧٦ھ

١١٠-المقدسي،أحسن التقاسيم في معرفة الأقاليم،ط:مطبعة بريل بليدن ١٩٠٦ء

١١١-الملا حاجي خليفة،كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون،ط:مطبعة العالم١٣١٠ھ

١١٢-نجيب العقيقي،المستشرقون،دارالمعارف،ط:٤

١١٣-الهيثمي،مجمع الزوائد ومنبع الفوائد،ط:المكتبة الأثرية

١١٤-الوزير أبوبكر عاصم بن أيوب،شرح ديوان امرئ القيس،ط:المطبعة الهندية بمصر١٩٠٦ء

١١٥-الوعاس وعبيد(تحقيق)،سنن الإمام أبي داؤد،ط:مطبع دارالحديث

١١٦-الوعاس(إشراف)،سنن الإمام الترمذي،ط:مكتبة دارالدعوة بحمص

١١٧-ونسنک ومنسنخ،المعجم المفهرس لألفاظ الحديث النبوي،ط:ليدن١٩٦٧ء

١١٨-اليعقوبي،تاريخ اليعقوبي،ط:دارصادر-بيروت

١١٩-ياقوت الحموي،معجم البلدان،ط:دارصادر-بيروت١٣٧٤ھ

انگریزی کتابیں:

120-D.Lascy O'Leary:How Greek Sciences Passed to the Arabs,

Good Word Books.
121-Farhad Daftary:Intellectual Traditions in Islam,B.Tauris London & New York 2000.
122-Lqarance Ventui:The Translator's Invasibility, London & New york 1997.
123-Philip K. Hitti:History of the Arabs,Macaulles Press Ltd. London & new York1970.
124-Reynold A. Nicholson:A Literary Hostory of the Arabs, Kitab Bhawan, New Delhi.

فارسی اور اردو کتابیں:

۱۲۵-ابن القفطی، تاریخ الحکماء، ط: مطبع تہران-تہران ۱۳۴۷ھ
۱۲۶-الحاج شیخ مرتضی مظہری، خدماتِ تقابلیہ اسلام وفارس، ط: منشورات امیر کبیر تہران ۱۳۴۱ھ
۱۲۷-ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا، تاریخ عقلیہ در تمدن اسلامی، یکے از مطبوعات جامعہ تہران ۱۳۴۶ھ
۱۲۸-ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا، تاریخ ادب فارسی، ط: سفارت ایران، دہلی ۱۳۳۵ھ
۱۲۹-ڈاکٹر عبدالحسین زرین کوب، تاریخ ایران بعد از اسلام، ط: مطبع سہر-تہران ۱۹۷۶ء
۱۳۰-ت، ج، دوبوئر، تاریخ فلسفۂ اسلام، ترجمہ: ڈاکٹر سید عابد حسین وفق، ط: نیشنل بک ٹرسٹ، نئی دہلی ۲۰۰۰ء
۱۳۱-پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی، مسلمانوں کا عروج وزوال، ط: ندوۃ المصنفین-دہلی
۱۳۲-حبیب حسین، البرامکہ اوران کا عروج وزوال، ط: انجمن ترقی اردو-لکھنؤ ۱۹۶۲ء
۱۳۳-خورشید الاسلام، اسلام اور مسلم مفکرین، ط: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، نومبر ۱۹۴۱ء
۱۳۴-ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلامیہ، عالمی اسلامی یونیورسٹی-اسلام آباد ۱۹۹۲ء
۱۳۵-ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی کا نظامِ تعلیم، ط: ہدی بک ڈپو-حیدرآباد ۱۹۴۹ء
۱۳۶-شاہ معین الدین احمد ندوی، دینِ رحمت، ط: دار المصنفین-اعظم گڑھ
۱۳۷-عبدالرحمن پرواز اصلاحی، اسلام اور مستشرقین، ط: دار المصنفین-اعظم گڑھ ۱۹۸۵ء

۱۳۸-علامہ شبلی نعمانی، المامون، دارالمصنفین -اعظم گڑھ
۱۳۹-علامہ شبلی نعمانی، الفاروق، دارالمصنفین -اعظم گڑھ
۱۴۰-علامہ شبلی نعمانی، علم الکلام، دارالمصنفین -اعظم گڑھ
۱۴۱-عمادالحسن آزادفاروقی، اسلامی تہذیب، ط: انجمن ترقی اردو ہند- دہلی ۲۰۰۰ء
۱۴۲-محمد عبدالرزاق کانپوری، البرامکہ، ط: مطبع نول کشور
۱۴۳-وسیم احمد اعظمی، بیت الحکمت کی طبی خدمات، ط: ۱۹۸۸ء

رسائل ومجلّات:

۱۴۴-ماہنامہ برہان، ندوۃ المصنفین -دہلی
۱۴۵-سہ ماہی جامعہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ-نئی دہلی
۱۴۶-سہ ماہی فکر ونظر-اسلام آباد، پاکستان
۱۴۷-سہ ماہی فکر ونظر، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی-علی گڑھ
۱۴۸-ماہنامہ معارف، دارالمصنفین -اعظم گڑھ
۱۴۹-خدابخش لائبریری جرنل-پٹنہ

Ahde Abbasi Me`n Tarjama Nigari

By: Dr. Aurangzeb Azmi   Translated by: Nayab Hasan Qasmi

عربی زبان کے اسکالر ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی نے ترجمہ جیسے اہم موضوع کو اپنی تحقیق کا محور و مرکز بنایا ہے، جو متنوع اور متضاد تہذیبوں کی تفہیم کا سب سے مؤثر وسیلہ ہے۔ ترجمہ ہی سے عالمی ثقافت کی بہت سی کھڑکیاں کھلی ہیں اور بہت سے علوم وفنون ہمارے دائرۂ آگہی میں آئے ہیں۔ اس حوالے سے عہدِ عباسی ایک زریں باب کی حیثیت رکھتا ہے، جہاں تخلیق کے مقابلے میں ترجمے کو ترجیحی حیثیت حاصل تھی اور شاید اسی ترجمے کا فیض ہے کہ عربی شاعری کی زبان علمی زبان میں تبدیل ہوئی۔ عہد عباسی کا بیت الحکمت اس سلسلے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، اسی زمانے میں عربی، یونانی، سریانی، سنسکرت، ہندی، افریقی، یہودی، سندھی، شامی، رومی، مجوسی، لاطینی و حبشی زبانوں کے عربی میں ترجمے ہوئے اور تقریباً بیس سے زائد علوم وفنون کے تراجم سامنے آئے۔ اہلِ عرب ہندستان، یونان اور فارس وغیرہ کے افکار سے بھی متاثر ہوئے اور بہت سے ہندستانی و دیگر زبانوں کے الفاظ، اصطلاحات، تعبیرات عربی زبان کا حصہ بنے۔

ڈاکٹر اورنگ زیب نے اپنی کتاب میں عربی ترجمہ نگاری کی روایت، ترجمہ کے اقسام، عہدِ عباسی کے تمام مترجمین، متعدد دار التراجم اور کتب خانوں کا تفصیل کے ساتھ احاطہ کیا ہے اور عباسی حکمرانوں کی علم دوستی کو خراج پیش کیا ہے۔ عربی ترجمہ کے حوالے سے یہ بہت ہی معلوماتی اور مفید کتاب ہے، جس سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ اس عہد میں تقریباً سترہ ایسے مترجمین تھے، جنھوں نے سنسکرت سے عربی میں ترجمے کیے۔ مزید دلچسپ بات یہ ہے کہ عہدِ عباسی کے زیادہ تر مترجمین غیر مسلم تھے۔ ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی نے تحقیق و جستجو کے بعد ان مترجمین کے سوانحی کوائف اور علمی آثار پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ یقینا یہ ایسا موضوع ہے، جس سے دنیا کے سامنے عہدِ عباسی کا ایک نیا زاویہ اور غیر متعصّبانہ علمی چہرہ سامنے آئے گا۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ نہایت ہی اہم موضوع پر عربی میں لکھی گئی اس کتاب کا ترجمہ برادرم نایاب حسن قاسمی نے کیا ہے اور ایک مشکل متنی اظہار کو ایک دوسرے متبادل متنی اظہار میں منتقل کرتے ہوئے لسانی نزاکتوں، لطافتوں اور زبان کے حقیقی جوہر کا پورا خیال رکھا ہے۔ اردو میں اس قسم کی کتاب کی شدید ضرورت تھی؛ کیوں کہ اس طرح کے موضوعات پر اردو میں بہت کم مقالے یا تحریریں سامنے آتی ہیں۔ نایاب حسن نے اورنگ زیب اعظمی کی کتاب کے ترجمے کے وسیلے سے اردو والوں کو ایک نیا دریچہ عطا کیا ہے اور لسانی کائنات کا ایک نیا نقشہ بھی، جس میں بیشتر زبانیں فکری اور اظہاری سطح پر ایک دوسرے سے مربوط نظر آرہی ہیں۔

— حقانی القاسمی، نئی دہلی

22/مارچ2019ء

مرکزی پبلیکیشنز
MARKAZI PUBLICATIONS
R-373/3, Jogabai Ext., Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025
Mob: 9811794822 / 21, E-mail: markazipublication@gmail.com

ISBN 9788194074922

₹ 200/-